اے عشق

نازیہ کنول نازی

سُنو......!
کبھی احساس ہو تم کو
کہ تم اچھا نہیں کرتے
جو یُوں مجھ کو رُلاتے ہو
لہو میرا جلاتے ہو
اگر اُس آگ میں جل کر
میں اِک دن راکھ ہو جاؤں
مجھے دِل سے بُھلا دینا
سمندر میں بہا دینا
مگر یہ یاد رکھنا تم
خدا سے یہ دُعا کرنا
کہ جو اچھا لگے تم کو
وہ تم جیسا کبھی نہ ہو!

گہری ہوتی رات کے ساتھ موسلاد دھار برستی بارش کی سرد بوندیں اس کے احساسات کو منجمد کر رہی تھیں، پورا ایک گھنٹہ ہو گیا تھا اسے کھڑکی میں کھڑی، باہر روڈ پر برستی ہوئی تیز بارش کی بوندوں کا شور سنتے اور ان کا خاموشی سے نظارہ کرتے ہوئے سرد ہوا کے تھپیڑوں نے اس کے نرم گالوں کی گلابی رنگت کو جکڑ کر وہاں برف جیسی سفیدی بکھیر دی تھی۔ رات شاید یونہی چپ چاپ بیت جاتی کے اچانک اس کے روم کا دروازہ کھلا اور اگلے ہی پل عمر کا لمی ہاتھ میں کافی

کا مگ لیے اس کے روم میں چلا آیا۔

"ہیلو محترمہ! آپ کو شاید خبر نہیں ہے کہ رات آدھی سے زیادہ ڈھل چکی ہے......" اس کی صدا پر بے ساختہ وہ پلٹی تھی۔

"کیا......؟"

"کیا...... کچھ نہیں...... مراقبے میں رہنے والوں کو ایسی باتوں کی خبر ذرا کم ہی ہوتی ہے۔۔" اس کا موڈ خوشگوار تھا۔ علیزہ لبوں پر پھیکی سی مسکان بکھیرتی، کھڑکی سے پلیٹ آئی۔

"مجھے بارش بہت اچھی لگتی ہے...... جب میں چھوٹی سی تھی تو......"

"ہاں! آگے مجھے سب پتہ ہے...... جب تم چھوٹی سی تھیں تو بارش میں خوب نہایا کرتی تھیں، کاغذ کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر بارش کے پانی میں بہایا کرتی تھیں اور جب کاغذ بھیگ جانے کے باعث وہ کشتیاں ڈوب جاتیں تو تم بہت روتی تھیں، سب معلوم ہے مجھے...... بیسیوں بار تمہاری زبانی یہ کہانی سن چکا ہوں، کوئی نئی بات کرو یار......" وہ آج موڈ میں تھا۔ علیزہ اس کی لمبی تقریر پر محض شکایتی نگاہوں سے اس کی طرف گھور کر رہ گئی۔

"آج نیٹ پر نہیں بیٹھے......؟" کمرے کے بکھرے حال پر اچٹتی نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے عمر سے پوچھا۔ جواب میں وہ شرارت سے مسکرایا۔

"پہلے کب نیٹ پر بیٹھتا ہوں...... کرسی پر بیٹھ کر کمپیوٹر آن کرتا ہوں...... پھر نیٹ کھولتا ہوں قسم سے......"

"میرے کہنے کا بھی یہی مطلب تھا......"

"اچھا...... خیر رات کافی بیت گئی ہے...... عادت کے عین مطابق کیا آج پھر نیند نہیں آرہی......؟" وہ جلدی سنجیدہ ہوا تھا۔ علیزہ نے اس کے سوال پر چپ چاپ رُخ پھیر لیا۔

"نہیں...... برستی بارش میں مجھے کبھی نیند نہیں آتی......"

"کیوں......؟" وہ شاید حیران ہوا تھا تبھی وہ بولی۔

"پتہ نہیں، یوں لگتا ہے جیسے زندگی اپنے ہر احساس کے ساتھ مجھ سے رُوٹھ گئی ہے......"

"نہیں...... ایسا نہیں ہوتا...... یہ ہمارے احساسات ہوتے ہیں جو زندگی کے ساتھ ہمارے تعلقات کو قائم کرتے ہیں، حادثے انسانوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں علیزہ......اور اسی لیے ہوتے ہیں کہ انسان ان سے سبق سیکھ کر اپنے لیے درست راستے کا انتخاب کر سکیں، خود کو مضبوط بنا سکیں، آئندہ ممکنہ تکالیف سے بچا سکیں......" اس کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا، علیزہ کی آنکھوں

میں نمی تیرنے لگی۔

"اگر تمہاری طرح ہر انسان یوں بس ایک ہی حادثے سے ٹوٹ کر جینے کی امید کھو بیٹھے تو بس پھر...... چل گیا دنیا کا نظام......" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔ علیزہ کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر نیچے لڑھک گیا۔

"میرے پاس جینے کے لیے کچھ بھی نہیں رہا...... مر گئی ہوں میں عمر...... خود اپنے ہاتھوں اپنی روح کا گلا گھونٹ دیا ہے میں نے......" اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کے سامنے خوب دل کھول کر روئے، مگر عمر اس کے لہجے کے کرب کو محسوس کیے بغیر آہستگی سے نگاہ پھیر گیا۔

"میرا خیال ہے اب تمہیں سونا چاہیے...... ایک دو گھنٹے بعد صبح فجر کی اذان ہو جائے گی...... میں بھی سو رہا ہوں اب......" وہ چاہتی تھی کہ عمر اس موضوع پر اس سے دیر تک کھل کر گفتگو کرے، دنیا میں ایک اس کے سوا اب اس کا اپنا رہا بھی کون تھا، مگر...... ہمیشہ کی طرح اس بار بھی وہ اس سے کچھ کہنے سنے بغیر اٹھ کر کمرے سے جا چکا تھا۔

❁

گرمی زوروں پر تھی اور وہ نادیہ کے ساتھ روڈ پر کھڑی وین کا انتظار کر رہی تھی۔

"یا اللہ...... پتہ نہیں یہ منحوس وین کب آئے گی...... لگتا ہے آج تو پروگرام گیا میرا......" پچھلے پندرہ منٹ میں کوئی دسویں بار اس نے یہ بات کہی تھی، نادیہ چڑ گئی۔

"خدا کا واسطہ ہے یار...... یہ پروگرام کا راگ الاپنا بند کر...... ہر وقت پروگرام پروگرام...... تو نے تو ریڈیو کو زندگی موت کا مسئلہ بنا لیا ہے......" اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی، علیزہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

"تو تجھے کیا مسئلہ ہے...... میری زندگی ہے...... میرے مشاغل ہیں، تجھے ناگوار گزرتا ہے تو کان بند کر کے کھڑی ہو جاؤ...... میں تو جب تک وین نہیں آئے گی، یونہی دہائیاں دوں گی، ہائے صرف پندرہ منٹ رہ گئے، آج تو میرا خط بھی خاصا تفصیلی ہے، کہیں وہ آغاز میں ہی شامل نہ کر دے......" اسے گرمی کی شدت سے زیادہ اپنے پروگرام کی فکر ستا رہی تھی۔ نادیہ نے کوفت کا شکار ہوتے ہوئے اس کی طرف سے رُخ پھیر لیا۔

"پتہ نہیں کہاں مر گیا آج یہ وین والا...... میری امی تو بیس بار گلی میں جھانک چکی ہوں گی...... زمانہ بھی تو بڑا خراب ہے آج کل......"

"تو کیا ہوا...... تو کون سی اکیلی ہے...... میں تیرے ساتھ ہوں فکر کی کوئی بات ہی نہیں۔"

"سبحان اللہ...... کہہ تو ایسے رہی ہو جیسے کہیں کی تمیں مار خان ہو...... ابھی دو لڑکے نظر آ گئے تو میرے پیچھے چھپتی پھرو گی......" اسے گرمی اور اپنی ماں کی فکر ستا رہی تھی، علیزہ اس کے الفاظ پر تڑپ گئی۔

"اچھا! میں چھپتی پھروں گی اور تو...... تیرا تو بھاگتی کا پتہ نہیں چلے گا......" اس نے تمسخر اُڑایا تھا۔ نادیہ نے مزید اس کے منہ لگنے کا ارادہ ملتوی کر کے نگاہیں روڈ پر جما دیں، دور دور تک کسی بندہ بشر کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

"یار! لگتا ہے آج اس کا ضرور اپنی بیوی سے پھڈا ہو گیا ہو گا۔ چل تھوڑی دور پیدل چلتے ہیں، پھر رکشہ کروا لیں گے، اس قیامت خیز گرمی میں اب مزید کھڑے رہنا میرے تو بس کی بات نہیں۔" تھوڑی دیر بعد نادیہ نے پھر اس کی طرف رُخ پھیرتے ہوئے کہا، تو وہ بھی اپنے پروگرام کے لیے اس کی ہاں میں ہاں ملاتی اس کے ساتھ ہی چل پڑی۔ تقریباً پچیس منٹ کے بعد وہ گھر پر تھی، نادیہ اپنی ماں کی فکر مندی کی وجہ سے بنا رُکے آگے بڑھ گئی تھی، آج اس کا موڈ صبح سے ہی آف تھا اور کیوں آف تھا وہ نہیں جانتی تھی۔ فی الحال اسے اس کی پرواہ بھی نہیں تھی، گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے بیگ صوفے پر پھینکا اور کسی کو سلام کیے بغیر جلدی سے اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

"خدا پوچھے اس لڑکی کو...... ایسی بھی کیا دیوانگی کہ کسی کو سلام کرنے کا ہوش بھی نہیں......" انیسہ بیگم کچن میں تھیں، حسن ان کے الفاظ پر دھیمے سے مسکرا دیا۔

"پگلی ہے مما...... ریڈیو فوبیا ہو گیا ہے اسے...... مجھے تو فکر یہ ستاتی ہے کہ سسرال جا کر کیا کرے گی، وہاں ساس صاحبہ کہیں گی کھانا پکاؤ اور یہ محترمہ لگی ہوں گی ریڈیو کے ساتھ...... ذرا سوچیں کتنا مزے کا سین ہو گا، جب محترمہ کی ساس غصے سے لال پیلی ہو کر اس پر برس رہی ہو گی اور یہ کمی کانوں میں ہینڈ فری ٹھونسے اپنے پروگرام کا لطف لے رہی ہو گی۔" وہ اپنے خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔ انیسہ بیگم تاسف سے سر جھٹک کر رہ گئیں۔

"یہ لڑکی ضرور ناک کٹوائے گی ہماری...... کیا کروں میں...... بیسیوں بار ڈانٹ چکی ہوں، پر اس پر کب اثر ہوتا ہے......" علیزہ کو اپنی ماں اور بھائی کی آوازیں کمرے میں صاف آ رہی تھیں، مگر وہ بے نیازی سے ریڈیو آن کر کے اب جوتے اتارے بغیر صوفے پر چڑھ کر بیٹھی تھی، پروگرام شروع ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم! یہ ریڈیو پاکستان لاہور ہے، دو بج کر دو منٹ ہو رہے ہیں،

اب پیش خدمت ہے پروگرام "آپ کی پسند" پیش کر رہے ہیں احسن رضا۔ دو بجے کی نیوز اور مختصر کمرشل پروگرام کے بعد بالآخر پروگرام کی ٹیون بجنا شروع ہو گئی تھی اور ٹیون بجنے کے ساتھ ہی علیزہ کا دل بھی تیزی سے دھڑکنا شروع ہو گیا تھا، آج احسن رضا پورے ایک ہفتے کے بعد پروگرام پیش کر رہا تھا اور ایک ہفتہ جیسے علیزہ نے گزارہ تھا، وہی جانتی تھی۔

"السلام علیکم! پروگرام "آپ کی پسند" کے ساتھ میں ہوں احسن رضا، میرے ساتھ چینل آپریٹ کر رہے ہیں، زاہد بشیر اور پروگرام کی پروڈیوسر ہیں حمنہ حسین۔" ٹیون کے فوراً بعد ہی وہی آواز جو اس کے اندر زندگی بن کر دوڑتی تھی، اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی، اور علیزہ کارواں رواں جیسے سماعت بن گیا تھا۔

"علیزہ...... ظہر کی نماز کا ٹائم نکل رہا ہے، پہلے نماز پڑھ لو......" عین اسی پل انیسہ بیگم کی صدا آئی تو اس نے لاپروائی سے جواب دے دیا۔

"اچھا امی...... ابھی پڑھتی ہوں...... آپ پڑھ لیں......" وہ نماز کی خاص پابند نہیں تھی اور اب تو اسے ویسے بھی سانس لینے کا ہوش نہیں تھا، رات لیٹ نائٹ جیسے ہی اسے پتہ چلا کہ صبح احسن رضا پروگرام آپ کی پسند پیش کر رہے ہیں، تب سے ہی وہ ہواؤں میں اڑ رہی تھی، ضروری ٹیسٹ کا مسئلہ نہ ہوتا تو آج اس کی چھٹی پکی ہوتی تھی۔ اس وقت اسے بھوک بھی زوروں کی لگ رہی تھی، مگر احسن رضا کی آواز کے سحر نے اسے ہر احساس سے غافل کر چھوڑا تھا۔

"جی سامعین...... پورے ایک ہفتے کے بعد آپ سے ملاقات ہو رہی ہے، اور اس ایک ہفتے میں آپ کی طرف سے ملنے والے ڈھیروں خطوط اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس پروگرام سے اور مجھ ناچیز کی آواز سے آپ کی محبت کتنی گہری ہے، آج انشاء اللہ آپ کی طرف سے ملنے والے تمام خطوط آپ کے پسندیدہ گیتوں کے ساتھ شامل پروگرام کروں گا...... یہ پہلا خط جو میرے ہاتھ میں ہے، یہ ہمیں لکھا ہے مسرت حیات نے لاڑکانہ سے، لکھتی ہیں کہ پچھلے ہفتے میں اپنی کزن سے ملنے لاہور آئی تو آپ کا پروگرام سنا، آپ کا لب و لہجہ پروگرام پیش کرنے کا انداز اور سامعین کے ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ نے بے حد متاثر کیا، پہلی بار کسی پروگرام میں خط لکھ رہی ہوں، اُمید ہے ضرور شامل پروگرام فرمائیں گے۔" اپنے مخصوص انداز میں بولتا وہ علیزہ کی خوشی اور جوش پر برف ڈال چکا تھا۔

پچھلے چھ ماہ میں ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ اس نے اپنے کسی پروگرام کا آغاز اس کے علاوہ کسی اور کے خط سے کیا ہو، کسی اور کو اس پر فوقیت دی ہو، پورے ایک ہفتے بعد وہ واپس

آیا بھی تھا تو کتنا بدل کے...... وہ بے حد ہرٹ ہوئی تھی جبکہ وہ اب کسی اور کے خط کے جواب میں شہد ٹپکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مس مسرت! سب سے پہلے تو آپ سے معذرت کہ آج ہمارا پروگرام پورے بیس منٹ لیٹ شروع ہوا، وجہ وہ کمرشل پروگرام تھا جو آپ نے ہمارے پروگرام سے پہلے سنا، اس کے بعد میں آپ سے معذرت چاہوں گا کہ آپ کا خط اتنی تاخیر سے پروگرام میں شامل ہو رہا ہے، ہمارے ساتھی میزبان نے پچھلے پروگرام میں آپ کو بتا تو دیا ہوگا کہ میں پچھلے ایک ہفتے سے بخار کا شکار تھا، اسی لیے پروگرام پیش نہ کر سکا، اب واپس آ گیا ہوں، اور انشاء اللہ اگلا پروگرام بھی آپ احسن رضا کی آواز میں ہی سنیں گی۔ آپ کو میری آواز اور انداز پیشکش اچھا لگا، اس کے لیے آپ کا بے حد شکریہ، ہم امید کرتے ہیں کہ آپ آئندہ بھی اسی طرح ہمارے پروگرام میں ریگولر شرکت کرتی رہیں گی، آپ نے ملکہ ترنم نور جہاں کی آواز میں عندلیب فلم کا گیت سننے کی فرمائش کی ہے، لیجیے آپ کو سنواتے ہیں، ملکہ ترنم نورجہاں کی آواز میں عندلیب فلم سے یہ گیت......" اس کی آواز کی جگہ اب ویڈیو اسپیکر سے ملکہ ترنم نور جہاں کی آواز گونج رہی تھی۔

پیار کر کے ہم بہت پچھتائے بہت پچھتائے
اک پل خوشی کی خاطر، سو غم اٹھائے......

یہ گیت اس کا موسٹ فیورٹ گیت تھا، اور اس نے بھی اپنے خط میں اسی گیت کی فرمائش کی تھی، مگر...... اس شخص نے کسی اور کے خط اور نام کے ساتھ وہ گیت چلایا تھا۔ علیزہ خاموشی سے اپنے آنسو پیتی پروگرام سنتی رہی، پہلے خط کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا، تیسرے کے بعد چوتھا اور چوتھے کے بعد ایک ایک کر کے اس نے کل اٹھارہ خط اور نو گیت پروگرام میں شامل کر لیے مگر اس کا خط تو دور پروگرام میں اس کا ذکر تک نہیں ہوا، وہ نہ صرف بے حد دکھی ہوئی تھی بلکہ احسن رضا کے رویے پر اسے بے حد حیرانی بھی ہو رہی تھی، پچھلے چھ ماہ سے وہ اس کے پروگرام میں خط لکھ رہی تھی اور پچھلے چھ ماہ سے اس کا خط اور فرمائشی گیت نمبر ون پر پروگرام میں شامل کیا جا رہا تھا، یہی نہیں بلکہ دوسرے لیسنرز میں بھی اس کے خطوط اور چلبلی باتوں کو کافی پسند کیا جاتا تھا، تو پھر اب ایک دم سے کیا ہو گیا تھا؟ وہ جتنا سوچتی جا رہی تھی اتنا ہی اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا، اسے بے حد رونا بھی آ رہا تھا، کپکپاتی انگلیوں سے اسی وقت اس نے احسن رضا کا موبائل نمبر پریس کیا تھا مگر دوسری طرف وہ آف مل رہا تھا، گویا وہ اس کے ساتھ جو کچھ بھی کر رہا تھا جان بوجھ کر کر رہا تھا۔ وہ صوفے سے اٹھی اور ریڈیو آف کر کے بیڈ پر اچھال دیا۔

"سٹوپڈ! خود کو پتہ نہیں سمجھتا کیا ہے...... اب میں لکھ جاؤں کبھی خط تو میرا نام بھی علیزہ نہیں......" بھیگی آنکھیں دوپٹے کے پلو سے رگڑتی وہ واش روم میں گھس گئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے لگی شدید بھوک کا اب پتہ بھی نہیں تھا کہاں گئی...... اپنی نظر اندازی اسے تکلیف پہنچا رہی تھی، حالانکہ یہ زندگی کا کوئی پہلا دکھ نہیں تھا، وہ پہلے بھی کئی معاملات میں بے دردی سے نظر انداز ہوتی ہی تھی مگر...... اسے ایک مرتبہ پھر تکلیف ہو رہی تھی۔ اچھی طرح منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مارنے کے بعد وہ واش روم سے نکلی تو ننھا وصی اور اس سے چھوٹی ونیزہ اس کے کمرے میں گھس آئے۔

"آپی! امما کہہ رہی ہیں شہلا آنٹی آئی ہیں...... جلدی فریش ہو کر آ جائیں......"

"میں نہیں آ رہی...... بول دو مما کو جا کر...... اس شہلا آنٹی کو تو اور کوئی کام ہی نہیں ہے...... سوائے ہمارے گھر کے چکر لگانے کے......" اسے پہلے ہی غصہ چڑھا ہوا تھا، اوپر سے ونیزہ اور وصی کی اطلاع نے مزید تپا دیا۔

"او کے! ابھی امی کو بتاتا ہوں کہ آپی کہہ رہی ہیں انہیں شہلا آنٹی سے نہیں ملنا اور یہ بھی کہ شہلا آنٹی کو اور کوئی کام نہیں ہمارے گھر کے چکر لگانے کے سوا......" وصی زیادہ شرارتی تھا، تبھی اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسی کے الفاظ دہرائے تو علیزہ نے تنگ کر ایک دھموکہ اس کی پیٹھ پر جڑ دیا۔

"چپ کر! خبردار جو ایسی کوئی بکواس کی تم نے امی کے سامنے...... سارے کے سارے دانت توڑ کر رکھ دوں گی...... ونیزہ...... تو امی سے کہہ دے آپی کے سر میں درد ہو رہا ہے اور وہ سو رہی ہیں......" یہ سچ بھی تھا اس کے سر میں واقعی اس وقت بہت درد ہو رہا تھا۔ ونیزہ چونکہ اس سے تھوڑی دبتی تھی لہٰذا فوراً معصومیت سے اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے نکل گئی، شام میں مغرب کی نماز سے قبل انیسہ بیگم اس کی کلاس لے رہی تھیں۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے علیزہ...... کالج سے آتے ہی سیدھی کمرے میں گھس گئی...... نہ سلام نہ دعا، کھانے کا ہوش، نہ نماز کا...... اور تو اور شہلا اتنی دور سے تم سے ملنے آئی اور تم نے اسے ملنے سے بھی انکار کر دیا، یہ کوئی طریقہ ہے......"

"سوری امی! میرے سر میں درد تھا......" وہ جانتی تھی انیسہ بیگم کبھی اپنے بچوں کو بے قصور نہیں ڈانٹی تھیں، تبھی سر جھکا کر آرام سے معذرت کر گئی مگر انہوں نے معاف نہیں کیا۔

"بھاڑ میں گئی تمہاری سوری! پیپرز سر پر ہیں اور یہاں تمہیں ریڈیو سے ہی فرصت نہیں، لوگوں کے بچے کمپیوٹر، ٹی وی، موبائل میں دلچسپی لیتے ہیں اور میری بوڑھی روح بیٹی کو ریڈیو

نے پاگل کر رکھا ہے، جب دیکھو ریڈیو کے ساتھ مصروف ملتی ہو، سدھر جاؤ علیزہ......نہیں تو میں نے اس ڈبے کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دینا ہے......" بیڈ پر پڑے ریڈیو کی طرف اشارہ کرتیں وہ فل غصے میں لگ رہی تھیں۔

❁

پوچھ مجھ سے میرے صبر کی وسعت کہاں تک ہے
ستا کر دیکھ لے ظالم، تیری طاقت کہاں تک ہے
ستم گر مجھ سے امید کرم ہو گی جنہیں ہو گی
ہمیں تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

رات بھر کی شدید بارش کے بعد صبح سردی کی شدت میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا، وہ رات جاگنے کے باوجود نیند کی بانہوں میں نہ جا سکی تھی، صبح نماز فجر کی ادائیگی کے بعد، زبانی سورتیں اور آیات پڑھتے ہوئے جانے کس لمحے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ عمر جس وقت اس کے کمرے میں داخل ہوا، سورج کی کرنیں خاصی پھیل چکی تھیں۔ گرم کمبل میں لپٹی، دوپٹہ اچھی طرح سر کے گرد لپیٹے، وہ بیڈ کی پٹی سے ٹیک لگائے جانے کب سو گئی تھی، وہ سست روی سے چلتا اس کے قریب آ گیا۔ سرخ و سفید رنگت کا حامل چہرہ نور کے ہالے میں لپٹا، بے حد دلکش دکھائی دے رہا تھا، وہ بے مقصد اسے سوتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اگلے پندرہ بیس منٹ میں اس نے کروٹ بدلنے کی کوشش کی تو آنکھ کھل گئی۔ عمر اب بھی محویت سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"السلام علیکم......" ذہن بیدار ہوتے ہی اس نے سلام جڑ دیا جواب میں وہ بھی چونک اٹھا۔

"وعلیکم السلام! ساتھ میں صبح بخیر......"

"صبح بخیر......رات اتنی دیر تک جاگنے کے باوجود صبح اتنی جلدی بیدار ہو گئے......؟" قدرے حیران حیران سی وہ کہنیوں کے بل اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ عمر مسکرا کر اس کے قریب سے اٹھ گیا۔

"ہاں! یہی تو کمال ہے میرا......تم فریش ہو جاؤ، ناشتے کے بعد ہمیں یہاں سے نکلنا ہے......"

"اوکے......" اچھے بچوں کی طرح تابعداری سے سر ہلاتی وہ فوراً بستر سے نکل گئی تھی۔ اگلے پینتالیس منٹ میں فریش ہونے کے بعد عمر کے ساتھ ہی ناشتہ کر کے وہ ہوٹل سے نکل آئی تھی، ہوا میں خنکی تھی، مگر اطراف میں بکھرنے والی ہلکی ہلکی دھوپ دن کے روشن ہونے کی

واضح دلیل تھی۔ عمر نے گاڑی میں بیٹھتے ہی ہیٹر آن کر دیا تھا۔

"صبح جب تم سو رہی تھیں تو آنٹی کا فون آیا تھا، تم سے بات کرنا چاہ رہی تھیں مگر میں نے تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہ سمجھا......رات سوئی بھی تو نہیں تھیں تم......" کتنی فکر کرتا تھا وہ اس کی......علیزہ کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی اور اس نے اپنا رُخ گاڑی سے باہر کی جانب موڑ لیا، کچھ پل یونہی خاموشیوں کی نذر ہو گئے تھے، جب اس نے پوچھا۔

"سعدی بتا رہی تھی تمہاری بیوی کو تم سے بہت سی شکایتیں ہیں اور یہ بھی کہ تم دونوں کے بیچ زیادہ تر جھگڑے چلتے رہتے ہیں، کیوں عمر......؟ جہاں تک میں سمجھتی ہوں تم ایک آئیڈیل مرد ہو......یقیناً کوئی بھی لڑکی تمہاری رفاقت پر ناز کر سکتی ہے۔ پھر......ثانیہ کو شکایتیں کیوں ہیں تم سے......؟" اس کے سوال پر ایک دھیمی تلخ سی مسکراہٹ عمر کے لبوں پر پھیلی تھی۔

"فضول سوال ہے...... پنڈی چل تو رہی ہو تم......مل لینا اس سے روبرو......پھر شاید یہ سوال تمہیں پوچھنے کی ضرورت نہ پیش آئے......"

تم کہنا چاہتے ہو کہ وہ بداخلاق ہے......؟"

"نہیں......"

"پھر......"

"پھر کچھ نہیں، چھوڑو اس فضول ٹاپک کو......کوئی اور بات کرو......" وہ ٹینس ہوا تھا، علیزہ خاموشی سے کچھ پل اسے دیکھنے کے بعد پھر رُخ پھیر گئی۔ اب اس کا ذہن ایک مرتبہ پھر ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو رہا تھا۔

❁

اگلے دو دن اس کے شدید اضطراب میں بسر ہوئے تھے کیونکہ اگلے دو دن کے پروگرامز میں بھی احسن رضا نے اس کے خط کو شامل پروگرام نہیں کیا تھا، اب اپنے ہر پروگرام میں وہ مسرت حیات کے خطوط، اس کی شاعری، اس کے طرز تحریر، اس کی خوبصورت ہینڈ رائیٹنگ کی تعریف کر رہا تھا، اور یہی چیز اسے ہرٹ کر رہی تھی۔ دو سال قبل جب اس نے ریڈیو سننا شروع کیا تھا، تب یہ احسن رضا ہی تھا جس نے اسے ریڈیو میں دلچسپی رکھنے پر مجبور کیا تھا، وہ اس کی دھیمی دھیمی جھرنوں جیسی طلسماتی آواز کے سحر میں جیسے جکڑی سی گئی تھی، اس وقت وہ پندرہ منٹ کا مختصر سا فرمائشی پروگرام آن ایئر کیا کرتا تھا، اسے ریڈیو میں دلچسپی نہیں تھی، صرف گرمی اور بوریت سے اکتا کر یونہی انجوائے منٹ کے لیے اس نے ریڈیو آن کیا تھا، اور یہ قطعی اتفاقیہ بات

تھی کہ ریڈیو آن کرتے ہی پہلی آواز جو سماعتوں سے ٹکرائی تھی، وہ اسی کی تھی۔

وہ بے حد کم عمر تھی، ابھی میٹرک کے سالانہ امتحان سے فارغ بھی نہیں ہوئی تھی، لہٰذا جو پہلی آواز دل کو بھلی لگی، اس میں گم ہوتی چلی گئی۔ یہ احسن رضا کی آواز کا جادو ہی تھا، جس نے زندگی میں پہلی بار اسے کسی کو خط لکھنے پر مجبور کیا تھا۔ رات بھر بے حد پر جوش انداز میں اپنے پسندیدہ میزبان کو خط لکھنے کے لیے اس نے کتنے صفحے ضائع کیے تھے، گھر میں جب پہلی بار سب کو اس کی ریڈیو سے دلچسپی کا پتہ چلا تھا تب سب نے اس کا مذاق اڑایا تھا، مگر اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی، ان دنوں احسن رضا کو سننے کے علاوہ اس کی زندگی کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ جس روز احسن رضا نے اس کے "یونہی" سے لکھے پہلے خط کو اپنے خوبصورت پروگرام میں شامل کیا تھا، اس روز بے یقین سی وہ ہواؤں میں اُڑ رہی تھی، رات بھر جاگ کر خط لکھنے کے بعد اسے صبح پوسٹ کروانے کے لیے اسے اپنے چھوٹے بھائی عمیر کی کتنی منت کرنی پڑی تھی، اس کے کتنے ناز اٹھانے پڑے تھے، اس کے بعد بھی اسے قطعی امید نہیں تھی کہ اس کا خط احسن رضا تک پہنچ جائے گا، اور وہ اسے شامل بھی کرے گا۔ اندرون ملک اور بیرون ملک سے آنے والے ہزاروں خطوط اس کے من پسند ہوسٹ ہونے کا منہ بولتا ثبوت تھے۔ علیزہ حیران ہوتی تھی کہ اتنے سینکڑوں لوگوں کے دل پر اپنی آواز سے حکمرانی کرنے والا وہ شخص "غرور" سے کیسے پاک ہو کر سبھی سننے والوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتا تھا گویا ان کا رشتہ دار ہو۔ اس کے پروگرام میں علیزہ کا پہلا خط پہلے نمبر پر شامل ہوا تھا، اور وہ بھی اہمیت کے ساتھ...... وہ ہواؤں میں نہ اُڑتی تو کیا کرتی......؟

اکثر یوں ہوتا کہ پروگرام چلتے وقت سیل جواب دے دیتے، ادھر احسن رضا اس کا ذکر کر رہا ہوتا تھا، تب وہ پاگلوں کی طرح نئے سیلز کے لیے سب کی منت کرتی پھرتی۔ انیسہ بیگم کے لیے بیٹی کی ریڈیو سے دیوانگی بے حد ناگواری کا باعث تھی، وہ اسے نماز کا کہتی رہتی اور علیزہ "ایک منٹ میں پڑھتی ہوں امی" کہہ کر وقت نکال دیتی، تعلیم میں اس کی دلچسپی بھی پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ احسن پہلے صبح کی نشریات میں بچوں کا پروگرام کرتا تھا، پھر دوپہر اور شام کی نشریات کے پروگرام کرنے لگا، بعد میں لوگوں کے اصرار پر رات کا فرمائشی پروگرام بھی وہی کرنے لگا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ علیزہ کی اس کی ذات سے دیوانگی بڑھتی چلی گئی۔ اب وہ مارے باندھے سکول جاتی تو اپنا ریڈیو بھی ساتھ ہی لے جاتی، سکول میں جب اسے بریک ہوتی، اسی وقت احسن کا پروگرام آ جاتا، اور وہ اپنی ساری دوستوں سے کٹ کر، گارڈن کے ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھی اس کا پروگرام سنتی رہتی۔ احسن رضا بھی اب اسے بہت اہمیت دینے لگا تھا، وہ اس کے لکھے گئے ہر خط کو

بے حد اہمیت کے ساتھ پہلے نمبر پر پروگرام میں شامل کرتا اور بعد میں بھی گاہے بگاہے تقریباً سارے پروگرام میں ہی اس کا ذکر کرتا تھا۔ صرف اسی کی دی گئی اہمیت کی وجہ سے اب اس کے خط سننے والوں میں بھی بے حد پسند کیے جا رہے تھے، اکثر ایسا ہوتا کہ کسی نہ کسی وجہ سے وہ خط نہ لکھ پاتی، اس کے باوجود وہ اسے اپنے ساتھ پروگرام میں شامل رکھتا۔

نادیہ کو اس کی ریڈیو سے دیوانگی پر بہت غصہ آتا، وہ قدرے سلجھی ہوئی پڑھائی میں خاصی ہوشیار لڑکی تھی، یہی وجہ تھی کہ علیزہ جب بھی بے خود ہو کر احسن کا ذکر اس کے سامنے کرتی وہ اسے ٹوک دیتی۔ اس روز احسن نے پروگرام میں کسی لسنر کی کال کا تذکرہ کیا تھا، جب سے اسے پتہ چلا کہ ریڈیو کے نمبر پر کال کر کے وہ اپنے فیورٹ ہوسٹ سے براہ راست بات بھی کر سکتی ہے، اور یہی تو اس کی آرزو تھی، لہٰذا اس روز اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ریڈیو پاکستان کا نمبر ملا لیا، انیسہ بیگم گھر پر نہیں تھیں، اس سے چھوٹی دنیزہ اور وصی اسکول گئے ہوئے تھے، صرف احسن سے بات کرنے کے لیے اس روز اس نے جان بوجھ کر چھٹی کی تھی۔ ڈیوٹی روم میں کوئی خاتون تھیں، اس نے بے حد کنفیوزڈ انداز میں اسی سے ریکویسٹ کی کہ وہ احسن رضا سے بات کرنا چاہتی ہے لہٰذا اسے بلوا دیں۔ احسن کا پروگرام ختم ہو چکا تھا، لہٰذا ڈیوٹی آفیسر نے اسے پانچ منٹ ہولڈ کروا کے بالآخر ریسور سٹوڈیو سے آتے ہی احسن رضا کو تھما دیا، علیزہ کو لگا اس لمحے اس کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا۔

"ہیلو......" احسن رضا کی ہیلو سنتے ہی اس کے ہاتھ پاؤں کپکپانے لگے تھے۔

"السلام علیکم......" بے یقینی سے یقین کی وادی میں قدم دھرتے ہوئے بالآخر وہ بول ہی پڑی تھی، جب وہ بولا۔

"وعلیکم السلام...... فرمایئے......"

"مم...... میں علیزہ سعید بات کر رہی ہوں......"

"او...... واؤ...... علیزہ کیسی ہیں آپ......؟" اس کے گمان کے عین مطابق وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خوش بھی ہوا تھا۔ علیزہ کا حوصلہ مزید بڑھ گیا۔

"ٹھیک ہوں الحمدللہ...... آپ کیسے ہیں......؟" اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے پسندیدہ میزبان سے بات کر رہی ہے، دوسری طرف احسن اب جیسے Relexed انداز میں بیٹھ گیا تھا۔

"میں بھی فائن ہوں الحمدللہ...... خط بہت پیارے ہوتے ہیں آپ کے، کہاں بیٹھ کر

لکھتی ہیں؟'' فون پر اس کی آواز ریڈیو سے بھی زیادہ پیاری لگ رہی تھی، وہ اس کے تعریفی انداز میں دھیمے سے مسکرادی، اور سادگی سے بولی۔

''اپنے روم میں......'' دوسری جانب اس کے جواب پر قہقہہ پڑا تھا۔

''سوئیٹ......کبھی آئیں ناں ریڈیو پر......''

''آؤں گی......کیا آپ مجھے اپنا کوئی پرسنل نمبر دے سکتے ہیں......؟'' جو بات اس کے دل میں جانے کب سے خواہش کی صورت میں سر اٹھا رہی تھی، وہ بات بالآخر ہونٹوں کی دہلیز تک آہی گئی تھی، تبھی وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"Yes why not" کہنے کے ساتھ اس نے علیزہ کو اپنا موبائل نمبر اور آفس کا نمبر دونوں نوٹ کروادیے تھے، اس کا پرسنل نمبر حاصل کرنے کے بعد علیزہ کو لگ رہا تھا گویا قارون کا خزانہ اس کے ہاتھ لگ گیا ہو۔ انیسہ بیگم بیٹی کو خوش دیکھ کر کبھی کبھی اس کی غفلتوں سے نگاہ چرا بھی لیتی تھیں، یوں تو انہیں اپنے چاروں بچوں سے ہی بہت پیار تھا، مگر علیزہ سے زیادہ انسیت تھی۔ اپنی عادتوں اور حرکتوں کے باعث وہ بہت عزیز تھی انہیں......لہٰذا سعید صاحب سے کہہ کر صرف اس کی خوشی کے لیے انہوں نے اسے نیا ریڈیو بھی منگوادیا تھا، تاہم احسن رضا سے اس کی براہ راست بات سے وہ بے خبر ہی رہی تھیں۔

❀

وہ دل کی باتیں زمانے بھر کو یوں نہ سناتا مجھے بتاتا
وہ اک دفعہ تو میری محبت کو آزماتا مجھے بتایا
زمانے والوں کو کیا پڑی ہے، سنیں جو حال دل شکستہ
مگر میری تو یہ آرزو تھی، مجھے بلاتا مجھے بتاتا
مجھے خبر ہے کہ چپکے چپکے اندھیرے اس کو نگل رہے ہیں
میں اس کی راتوں میں اپنے دل کا دیا جلاتا مجھے بتاتا
ستم کیا ہے فراز اس نے، جو شہر چھوڑا ہے خاموشی سے
میں اس کی خاطر یہ ساری دنیا ہی چھوڑ جاتا مجھے بتاتا

''علیزہ! مجھے بچے بہت اچھے لگتے ہیں، تم دیکھنا میرے بچے دنیا پر راج کریں گے''

عمر نے گاڑی جھٹکے سے ایدھی سنٹر کے سامنے روکی تھی، جب اسے کسی کی بات یاد آئی اور آنکھوں میں جیسے پھر سے دھواں جمع ہونا شروع ہوگیا، بڑی مشکل سے آنسو پی کر اس نے اپنی طرف کا

دروازہ کھولا اور گاڑی سے باہر نکل آئی۔ ''ایدھی سنٹر اسلام آباد'' کی خوبصورت عمارت نگاہوں کے بالکل سامنے تھی، عمر بھی اس کے ساتھ ہی گاڑی سے نکلا تھا۔

''چلیں......'' گاڑی لاک کرکے وہ اس کی طرف پلٹا، جواب میں علیزہ نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے چپ چاپ قدم ''ایدھی سنٹر'' کی وسیع عمارت کی طرف بڑھادیے۔

❀

نہ فکر فردا نہ یاد ماضی، نہ چین دل کو نہ بے قراری
نہ حد سے گزرا ہوا جنوں وہ......
بس اک اُداسی ہے دھیمی دھیمی
بس اک خاموش سی بے قراری
جو زندگی کے ادھورے پن کو
حدوں سے آگے بڑھا رہی ہے
شاید تیری یاد آرہی ہے۔

ایدھی سنٹر اسلام آباد میں ڈھیر سارے بچوں کے درمیان بیٹھی وہ مسکرا رہی تھی، اور عمر اس کے اداس چہرے پر بکھری بے جان مسکراہٹ کو دیکھتے ہوئے جانے کیا سوچ رہا تھا، جب اس نے عمر کو مخاطب کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''عمر......اگر میں کسی بچے کو یہاں سے ایڈاپٹ کرنا چاہوں تو کیا مجھے وہ بچہ مل سکتا ہے؟''

''کون سا بچہ؟'' وہ دماغی طور پر حاضر نہیں تھا۔ علیزہ اس کے سوال پر شپٹا گئی۔

''کوئی بھی بچہ......جسے میں گود لینا چاہوں۔''

''اوکے......لڑتی کیوں ہو......لے لینا، انتظامیہ سے بات کرنی پڑے گی......پھر ضروری کاغذی کارروائی ہوگی، اس کے بعد لے سکتی ہو......''

''کاغذی کارروائی کیوں......؟'' اُسے اس طرح کے معاملات میں کوئی خاص معلومات نہیں تھی، تبھی الجھ کر پوچھا تو وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرادیا۔

''بھئی کاغذی کارروائی تو ضروری ہے ناں......اب دیکھو، کل کلاں کو تم بچے سے اکتا کر اسے کسی برساتی نالے میں پھینک دو، یا کسی کو سمگل کردو، ایسے میں تمہارے خلاف قانونی کارروائی کرنی پڑے گی اور قانونی کارروائی کے لیے پہلے کاغذی کارروائی ضرور ہوتی ہے......''

اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ علیزہ نے اس کی اطلاع پر یقین کرتے ہوئے آہستہ سے اثبات

میں سر ہلا دیا۔

''ہاں! تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن ...... میں ایسا کیوں کروں گی۔ مجھے تو بچوں سے بے انتہا پیار ہے...... میں تو کسی بچے کو برساتی نالے میں پھینکنے یا اسے سمگل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی......'' اس کا لہجہ اور انداز اتنا معصومیانہ تھا کہ عمر کو بے ساختہ اس پر ڈھیروں پیار آ گیا۔ تبھی اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے وہ اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔

''مذاق کر رہا ہوں بیوقوف لڑکی...... سنس آف ہیومر نام کی کوئی چیز نہیں ہے تم میں......'' مسکراتے ہوئے وہ اتنا پیارا لگتا تھا کہ علیزہ بے ساختہ اس سے نگاہ چرا لیتی تھی۔

''عمر...... اگلی بار جب ہم یہاں آئیں گے تو ان بچوں کے لیے میں اپنے ہاتھ سے کوئی چیز پکا کر لاؤں گی، کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ جب ان بچوں کو ماں کے ہاتھ کی بنی اپنی پسندیدہ کوئی چیز شدت سے کھانے کو دل چاہتا ہوگا تو یہاں کون منہ سے نکلتے ہی ان کی خواہش پوری کرتا ہوگا...... مجھے اقرار ہے کہ بابا عبدالستار بہت بے مثال ہیں، فرشتہ صفت انسان ہیں، میرے آئیڈیل ہیں، مگر بابا کے پاس بھی کہاں اتنا ٹائم ہوتا ہوگا کہ وہ روزانہ ان بچوں کے پاس بیٹھ کر اس کی فرمائشیں سنیں......'' اس کی اپنی ہی سوچ اور خیالات تھے۔ عمر بس محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

''تم صرف دو سال پہلے مجھے مل جاتیں تو تمہارا کیا جاتا علیزہ......؟'' محویت سے اسے تکتے ہوئے اس کا لہجہ اچانک گھمبیر ہوا تھا۔ علیزہ چونک کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

''دو سال پہلے مل جاتی تو کیا ہوتا؟'' وہ پوچھنا نہیں چاہتی تھی مگر پوچھ بیٹھی تھی، تبھی وہ بولا تھا۔

''کسی کی زندگی بدل جاتی، ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہوتیں، سکون ہوتا......''

''سکون قسمت سے ملتا ہے عمر...... انسانوں سے نہیں......'' سر جھکاتے ہوئے اس کا لہجہ بھی دھیما ہو گیا تھا۔ عمر جانے کیا سوچ کر سر جھٹکتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم بیٹھو! میں گاڑی سے ان بچوں کی چیزیں اٹھا لاؤں، پھر چلتے ہیں......''

''اوکے......'' ایک مرتبہ پھر اثبات میں سر ہلا کر وہ اپنی گود میں بیٹھے اس پیارے سے بچے کی طرف متوجہ ہو گئی تھی، جس کی پیاری پیاری میٹھی باتوں نے اس کا دل موہ لیا تھا۔

❁

عمر کے ساتھ جس وقت اس نے اس کے گھر کی دہلیز پر قدم رکھے، دوپہر ڈھل رہی

تھی۔ کل وہ لوگ عصر کے بعد گھر سے نکلے تھے، عمر کی مما نے ہی عمر کو اسے لینے کے لیے بھیجا تھا، کیونکہ اپنوں کے لیے تو وہ مر گئی تھی، اپنی دوست نادیہ اور اس کی مہربان شفیق ماں کا ساتھ نہ ہوتا تو شاید دنیا کے لیے بھی مر جاتی، دو سال یونہی گزر گئے تھے، چپ چاپ، بنا دل پہ کسی موسم کی دستک دیے۔ عمر یا اس کی مما سے اس کا خون کا رشتہ نہیں تھا، وہ صرف اس کی امی کی بہترین دوست تھیں، اور عرصہ دراز سے دیار غیر میں مقیم تھیں۔ صرف دو ماہ قبل وہ اپنی فیملی کے ساتھ ہمیشہ کے لیے پاکستان واپس آئی تھیں اور وہ بھی اس لیے کہ اب بیماری نے مستقل انہیں نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ گردوں کی تکلیف اب گزرتے ہر روز کے ساتھ انہیں خاصا پریشان رکھنے لگی تھی، اپنے بیٹے بہو اور پوتے کے ساتھ پاکستان آمد کے تقریباً بائیسویں روز ان کی دعا سلام مسز ہیبہ سے ہوئی تھی اور تب ہی انہیں علیزہ کی کہانی کے بارے میں پتہ چلا تھا۔ مسز ہیبہ سے مراسم اور محبت کے باعث علیزہ بھی بچپن سے ہی انہیں بے حد عزیز رہی تھی۔ بچپن میں وہ پیاری بھی اتنی لگتی تھی کہ انہوں نے دل ہی دل میں اسے اپنے عمر کی دلہن بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر بعد میں کچھ ایسے حالات درپیش آئے کہ انہیں پاکستان میں رہنا نصیب ہی نہ ہو سکا۔ تاہم دیار غیر میں بھی وہ ہیبہ بیگم اور ان کی فیملی کا ہر بات میں تذکرہ کرنا نہیں بھولتی تھیں۔ عمر بچپن سے جوانی تک کئی بار ان سے یہ بات سن چکا تھا کہ وہ علیزہ کو اس کی دلہن بنانا چاہتی تھیں، تاہم اپنی ماں کی پسندیدہ اس لڑکی کو اس نے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ اس کی شادی میں صد فیصد اس کے پاپا کی رضامندی شامل تھی، جس کے لیے اپنی بیوی کے انکار اور خفگی کو بھی کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ عمر ماں کی طرح باپ کا بھی فرمانبردار تھا، پھر سنجیدہ طبیعت کا مالک ہونے اور تمام تر توجہ بزنس میں رکھنے کے باعث اس کا کسی لڑکی سے کوئی افیئر بھی نہیں چلا تھا، لہٰذا اس نے چپ چاپ شادی کروا لی۔ شادی کے ابتدائی چند ماہ سکون سے بسر ہو گئے تھے مگر پھر اکثر گھر میں ٹینشن رہنے لگی۔ مغربی سرزمین پر رہ کر بھی اس کی ماں پانچوں وقت کی نماز باقاعدگی سے پڑھنا نہیں بھولتی تھی۔ اس کی ماں اور بیوی کے درمیان پہلا جھگڑا بھی اسی بات کو لے کر ہوا تھا کہ ظہر کے ٹائم جب وہ نماز پڑھ رہی تھیں تو اس کی بیوی نے جان بوجھ کر ٹی وی بلند آواز میں کیوں لگایا؟'' وہ ٹی وی سے سخت الرجک تھیں، اوپر سے نماز کے ٹائم بیہودہ پروگرام دیکھنا اور چلانا، ان کا غصہ جائز تھا، مگر ثانیہ نے یہ کہہ کر کہ وہ گھر میں چپ چاپ قید نہیں رہ سکتی اور دوسرا اس کی ماں ہر وقت اللہ اللہ کرتی رہتی ہے، وہ کب تک اپنے جذبات مارے چنانچہ طوفان کھڑا کر دیا تھا۔ عمر دونوں کے بیچ بری طرح پھنس کر رہ گیا۔ آئے روز گھر میں بپا ہوتے انہی ہنگاموں نے زوہیب کاظمی صاحب

کی جان لے لی۔ شدید ہارٹ اٹیک کا شکار ہو کر ایک روز وہ چپ چاپ ہمیشہ کے لیے پلکیں موند گئے تھے۔ ان کی رحلت کے بعد سائرہ بیگم کے لبوں پر مستقل چپ کا قفل لگ گیا تھا اور پھر انہوں نے عمر کو ہمیشہ کے لیے پاکستان چل کر رہنے پر مجبور کرنا شروع کر دیا۔ زوہیب صاحب کی طرح وہ بھی اجنبی سرزمین پر بے موت مرنا نہیں چاہتی تھیں۔ لہٰذا عمر اپنی بیوی کی ناراضگی اور دھمکیوں کی پرواہ کیے بغیر اپنا سارا بزنس سمیٹ کر صرف ماں کی خوشنودی اور اپنے دلی سکون کے لیے پاکستان شفٹ ہو گیا۔ ثانیہ ضد میں ہانگ کانگ ہی رک گئی تھی، ماں باپ اس کے بھی وفات پا گئے تھے، صرف ایک بڑی بہن تھی جو شادی شدہ تھی اور اسی نے زوہیب صاحب کی ہمدردیاں سمیٹ کر شعلہ مزاج ثانیہ کو عمر کے پلے باندھا تھا۔

وہ پریگننٹ تھی اور چاہتی تھی کہ بچے کے ذریعے عمر کو بلیک میل کر کے اس کی ماں سے دور کر دے مگر عمر نے اسے اس سازش میں کامیاب نہیں ہونے دیا تھا، اسے بیٹے کی پیدائش کی خبر مل گئی تھی، مگر خود پر جبر کیے اس نے نہ صرف خود کو پاکستان میں روکے رکھا بلکہ سائرہ بیگم سے بھی یہ بات چھپائی۔ منا جب چار ماہ کا ہو گیا تھا تب ثانیہ کی بڑی بہن نے کال کر کے اسے ثانیہ کو اپنے ساتھ لے جانے کی ریکویسٹ کی اور یوں وہ آزاد ویزے پر صرف تین دن کے لیے پھر سے ہانگ کانگ آیا اور بنا پچھلی کوئی بات دہرائے، ثانیہ کو اپنے ساتھ پاکستان لے آیا۔

وہ اس سے محبت کا دعوے دار نہیں تھا، مگر بیوی کی حیثیت سے اس کی قدر کرتا تھا اور چاہتا تھا، کہ وہ بھی اس کی قدر کرے، اس سے پیار کرے، اس کا خیال رکھے، مگر ثانیہ خود کو اس کی پسند کے سراپے میں نہیں ڈھال سکتی تھی، لہٰذا اب زیادہ تر جھگڑے ان دونوں کے بیچ ہی ہوتے تھے، سائرہ بیگم اس کے منہ ذرا کم ہی لگتی تھیں۔

❁

پاکستان آ کر ان کے ٹوٹے ہوئے روابط پھر اپنوں سے بحال ہو گئے تھے اور جب ایسہ بیگم کی زبانی انہیں علیزہ کا پتہ چلا، ان کا دل تڑپ اٹھا۔ عمر اس روز آفس سے جلد گھر لوٹ آیا تھا، اور عادت کے عین مطابق آتے ہی پہلے انہیں سلام کرنے وہ ان کے کمرے میں آیا تھا۔ وہ ابھی عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر تسبیح کر رہی تھی، عمران کی گود میں سر ڈال کر جائے نماز پر ہی دراز ہو گیا، تبھی وہ اس کے گھنے بالوں میں ملائمت سے انگلیاں پھیرتے ہوئے پیار سے بولی تھیں۔

"عمر! تمہیں یاد ہے تمہارے بچپن میں، میں نے ایک چھوٹی سی پیاری لڑکی کو اپنی بہو بنانے کا خواب دیکھا تھا۔"

"جی! بہت اچھی طرح یاد ہے...... اور یہ بھی یاد ہے کہ کئی سالوں تک آپ اس لڑکی کا ذکر میرے سامنے کرتی رہی تھیں، کیا ہوا، میری دوسری شادی کے خواب تو نہیں دیکھ رہیں؟" اس کے لہجہ میں شرارت تھی۔ سائرہ بیگم اس کے مضبوط کندھے پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے مسکرا دیں۔

"نہیں! ایسی بات نہیں ہے وہ بچی اس وقت مشکل میں ہے...... میں چاہتی ہوں کہ تم اسے یہاں لے آؤ، مگر پھر سوچتی ہوں کہ بہو کو یہ اچھا نہیں لگے گا، جانے وہ اس بات پر کیا فساد کھڑا کرے۔"

"اس کی ٹینشن مت لیا کریں آپ...... میرے ہوتے ہوئے کوئی فساد کھڑا نہیں کر سکتی وہ، اور ویسے بھی مما! اسے میری ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، اس کی اپنی مصروفیات اور مشاغل ہیں، آپ پریشان نہ ہوں، میں آپ کی لاڈلی کو یہاں لے آؤں گا...... ذرا دیکھوں تو سہی، اس میں ایسی کیا خوبی ہے جو میری ماں اسے بھولتی ہی نہیں۔" اس کے گداز لبوں پر محظوظ مسکراہٹ بکھری تھی۔ سائرہ بیگم نے ذرا سا جھک کر اس کی کشادہ پیشانی چوم لی۔

"جگ جگ جیو میرے لعل! خدا تمہیں ڈھیر ساری خوشیاں نصیب کرے......" وہ خوش ہو گئیں، عمران کی دعائیں لیتا ان کے کمرے سے نکل آیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں گھر میں تنہائی سے ہار گئی ہیں، کہیں بھی آتی جاتی نہیں ہیں، ایسے میں انہیں اپنا دل بہلانے کے لیے ایک عدد ایسی ہستی کی ضرورت ہے، جو ان کے دل کی باتیں سنتی، ان کا خیال رکھتی، اور ان کی تنہائی بانٹتی اور وہ ان کی اس خواہش کو ادھورا چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

لہٰذا اگلے ہی روز ثانیہ کو بتائے بغیر وہ لاہور روانہ ہو گیا۔

❁

بات دن کی نہیں، اب رات سے ڈر لگتا ہے
گھر ہے کچا میرا، برسات سے ڈر لگتا ہے
تیرے تحفوں نے سدا خون کے آنسو ہی دیے
زندگی اب تیری سوغات سے ڈر لگتا ہے

اس کے میٹرک کے امتحانات قریب آ گئے تھے، مگر اس کے باوجود وہ ریڈیو سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھی، اس روز وہ سکول گئی ہوئی تھی، جب چھوٹے وصی نے کھیلتے ہوئے اس کے ریڈیو کی اندرونی کوئی تار توڑ دی۔ وہ سکول سے واپس آئی تو حسب معمول جلدی سے سب کو سلام کر کے اپنے کمرے میں گھس گئی۔ ایسہ بیگم کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، لہٰذا وہ آرام

کررہی تھیں۔ کمرے میں گھستے ہی اس نے لپک کر ریڈیو اٹھایا اور آن کرنے کی کوشش کرنے لگی مگر سوہنی کے کچے گھڑے کی طرح اس وقت اس کے ریڈیو نے بھی اسے جواب دے دیا تھا۔ احسن کے پروگرام کا ٹائم ہوگیا تھا۔ لہٰذا دیوانوں کی طرح بیقرار ہوتے ہوئے اس نے ریڈیو آن کرنے کی ہر ممکن کوشش کرڈالی مگر اسے چلانے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

''اوہ شٹ...... یہ چل کیوں نہیں رہا......'' اب اسے غصہ بھی آرہا تھا اور رونا بھی، قرب وجوار سے بھی ریڈیو ملنے کی امید نہیں تھی لہٰذا آنسو پیتی غصہ ضبط کرتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل آئی، وصی اور ونیزہ باہر صحن میں کھیل رہے تھے۔ وہ ان کے سر پر جا پہنچی۔

''وصی، ونیزہ...... میرے ریڈیو کو کس نے ہاتھ لگایا تھا؟'' تقریباً دھاڑ کر کہتے ہوئے اس نے دونوں کو دیکھا تھا۔ کیونکہ رات جب وہ پروگرام سن رہی تھی تب تو ریڈیو بالکل ٹھیک تھا۔ ونیزہ اور وصی دونوں ہی اس کی دھاڑ پر قدرے سہم گئے تھے۔

''آپی! وصی کھیل رہا تھا صبح، میں تو اپنا ہوم ورک مکمل کررہی تھی......'' اس سے چھوٹا عمیر تھا، اور ونیزہ اس سے پورے پانچ سال چھوٹی تھی۔ جبکہ وصی ونیزہ سے بھی دو سال چھوٹا تھا۔ اسی لیے اکثر وہ اس کا لحاظ کرجاتی تھی، مگر اس وقت اس کا غصہ گویا آسمان کو چھو رہا تھا۔ تبھی اس کے دھاڑ کر پوچھنے پر ونیزہ نے معصوم سے لہجے میں فوراً اپنی صفائی پیش کی تو اس نے وصی کو پکڑ لیا۔

''بولو تم نے میرا ریڈیو چھیڑا تھا؟''

اس کا بس نہ چلتا تھا کہ اس لمحے وہ وصی کو کچا چبا ڈالتی، جو اس کے جارحانہ انداز پر قطعی بھول پن سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''نہیں آپی! میں نے چھیڑا نہیں تھا، میں تو صرف کھیل رہا تھا......''

''کھیل کے بچے...... ضرور تیرے ہاتھوں ہی اس کا بیڑا غرق ہوا ہے، تجھے تو چھوڑوں گی نہیں میں آج......'' یہ کہنے کے ساتھ ہی اس نے اس کی پٹائی شروع کردی تو وہ حلق پھاڑ پھاڑ کر رونا شروع ہوگیا، جس پر ہیبہ بیگم خاصے برہم انداز میں اپنے کمرے سے نکلی تھیں۔

''کیا ہورہا ہے یہاں؟ کیوں شور مچا کر آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے تم نے......'' ان کے سر میں شدید تکلیف تھی۔ علیزہ نے ابھی غصہ نہ اترنے کے باوجود وصی کے بازو چھوڑ دیے۔

''امی! وصی نے میرا ریڈیو توڑ دیا ہے۔ آج اتنا اسپیشل پروگرام تھا میرا......'' ماں کی حمایت حاصل کرنے اور ان کی ڈانٹ سے بچنے کے لیے اس نے فوری ان سے وصی کی شکایت کی تھی مگر رزلٹ اس کے خلاف نکلا تھا۔ وہ وصی کو کچھ کہنے کی بجائے الٹا اسی پر برس پڑی

تھیں۔ ''چپ کرو تم! ذرا سی بات پر بچے کا مار مار کر منہ سرخ کردیا ہے، حد ہوتی ہے کسی بات کی...... امتحان سر پر ہیں، ماں کی طبیعت خراب ہے اور اس لڑکی کو اب بھی اپنے ریڈیو کی پڑی ہے، پاگل نہ ہو تو......'' ہیبہ بیگم کی ڈانٹ نے مزید اسے ہرٹ کردیا، پہلے ہی پروگرام نہ سن پانے کا صدمہ کم تھا کہ اب ماں نے بھی چھوٹے بہن بھائیوں کے سامنے اسے ڈپٹ کر رکھ دیا تھا، وہ اپنے کمرے میں آئی اور تکیے میں منہ چھپا کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ شام میں ہیبہ بیگم نے اسے پیار سے سمجھانے کے ساتھ ساتھ منت کرکے کھانا بھی کھلایا تھا۔ اسی شام عمیر نے اس کے ریڈیو کی ٹوٹی ہوئی باریک تار بھی ٹانکا دینے سے دوبارہ جوڑ دی تھی مگر اس کے باوجود احسن رضا کا پروگرام مس کردینے کا اس کا صدمہ کسی طور کم نہ ہوسکا تھا۔ اب گھر والوں کے ساتھ ساتھ اس کے کزنز بھی اس کی ریڈیو دیوانگی پر اسے اپنے مذاق کا شکار بنانے لگے تھے، مگر اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ سب کا یہی کہنا تھا کہ وہ زندگی میں کبھی کچھ نہیں کرسکتی، اپنی عام سی شکل وصورت کے باعث اسے خود بھی اپنی ذات کے متعلق کوئی خاص خوش فہمیاں لاحق نہیں تھیں، مگر احسن رضا کے تعریف بھرے جملوں اور خوابوں نے اس کے اندر بہت سی امنگیں جگادی تھیں۔ صرف اس کے لیے، اس سے داد پانے کے لیے اس نے میٹرک کے امتحان کی تیاری میں جینا مرنا ایک کرکے فرسٹ ڈویژن حاصل کرلی تھی جس پر سب گھر والے بھی حیران ہوئے تھے، سعید صاحب سے لے کر چھوٹے وصی تک کو ریڈیو سے اس کی دیوانگی کا علم تھا لہٰذا ان کا یہی خیال تھا کہ اس بار اس کا بورڈ کے امتحان میں کلیئر ہونا مشکل ہے مگر اس نے یہ کر دکھایا تھا، اور پھر جس روز احسن نے ریڈیو پر اس کے رزلٹ کی خبر نشر کرتے ہوئے اسے بے حد خوشی سے مبارکباد دی، اس روز اسے لگا کہ وہ اپنی ہر کوشش میں سرخرو ہوگئی ہو۔

❁

شاندار نمبروں سے میٹرک کا امتحان کلیئر کرنے کے بعد اب اس نے نادیہ کے ساتھ ہی کالج جوائن کرلیا تھا۔ کالج کو ایجوکیشن تھا، اور تعلیم کے لحاظ سے اس کا ریکارڈ بہتر تھا، پھر گھر سے زیادہ دور بھی نہیں تھا، لہٰذا دونوں کے گھر والوں نے انہیں آگے ایڈمیشن دلا دیا تھا۔

نادیہ ذرا خشک طبیعت کی اپنے آپ میں رہنے والی لڑکی تھی، اس کے دو تین کزن اور کزنیں اسی کالج میں اس کے ساتھ زیر تعلیم تھے، لہٰذا اب وہ علیزہ کو کالج میں اتنا ٹائم نہیں دے پاتی تھی، جتنا سکول میں دیا کرتی تھی، مگر اسے اب اس بات کی کوئی خاص پرواہ بھی نہیں تھی، اس کے لیے ہر جگہ احسن رضا کی آواز، اس کا تصور ہی کافی تھا، جس سے نادیہ کے سوا ابھی کالج میں

اور کوئی بھی واقف نہیں تھا۔

اسے کالج جوائن کیے ابھی بمشکل ایک ماہ ہوا تھا کہ اچانک احسن رضا پروگرام چھوڑ گیا، اس کی جگہ جو دوسرا اناؤنسر ڈیوٹی پر آیا، اس نے لسنرز کے استفسار پر بتایا کہ احسن ایک ہفتے کی چھٹی پر گئے ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں ایک ہفتے تک وہ پروگرام کوئی دوسرا ہوسٹ پیش کرے گا۔ دوسرے لسنرز کے لیے یہ اطلاع کیا معنی رکھتی تھی، وہ نہیں جانتی تھی، مگر اس کے لیے یہ غیر متوقع اطلاع قدرے شاک کا باعث بنی تھی۔ پورے ایک ہفتے وہ شدید ڈسٹرب رہی تھی، کھانا پینا، ہنسنا بولنا تقریباً ترک ہی کر دیا تھا اس نے کہ وہ پھر لوٹ آیا تھا۔ کتنی پرجوش تھی وہ اس روز کالج سے گھر واپس آتے ہوئے۔ پچھلے ایک ہفتے میں اس نے کتنے ہی ناراضگی بھرے لیے خط لکھ کر اسے پوسٹ بھی کر دیے تھے، مگر...... وہ کتنا بدل گیا تھا، صرف ایک ہی ہفتے میں وہ اپنے پروگرام میں جس کا ذکر تک کرنا بھی بھول گیا تھا، یہ شاک اس کے لیے ہرگز کم شاک نہیں تھا۔

روز ادھڑتی، روز سمٹتی تھی۔ انیسہ بیگم اسے ڈانٹ ڈانٹ کر سمجھا سمجھا کر اب تھک گئی تھیں، ہر وقت آفت مچائے رکھنے والی ان کی بیٹی پر یکلخت سنجیدگی حاوی ہو کر رہ گئی تھی، اب اس نے سنجیدگی سے پڑھائی میں دلچسپی لینے کے ساتھ ساتھ گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹانا بھی شروع کر دیا تھا۔ عمیر کو بے چینی ہو رہی تھی، کہ اب وہ اس سے کوئی خط کیوں پوسٹ نہیں کرواتی؟ جبکہ حسن کا خیال تھا کہ اسے عقل آ گئی ہے۔

اس روز شام میں سعید صاحب آفس سے آئے تو وہ انہیں کھانا دیتے ہوئے ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"ابو ..... مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے ....." اس کا سر ضرور جھکا تھا، مگر نگاہیں زمین پر نہیں تھیں۔ سعید صاحب کا ہاتھ نوالہ توڑتے توڑتے رہ گیا۔

"ہاں کرو بیٹے ....."

"وہ ...... ابو میں ...... میں ریڈیو پر جاب کرنا چاہتی ہوں ....."

"کیا ......؟" وہ صرف چونکے نہیں تھے بلکہ ازحد حیران بھی ہوئے تھے، صد شکر انیسہ بیگم پاس نہیں تھیں، ورنہ شاید یہ بات ان سے کہنے کی ہمت ہی نہ کر پاتی۔

"جی ابو ...... ریڈیو جاب میری سب سے بڑی خواہش بن چکی ہے ...... اور آپ نے کبھی اپنے بچوں کی کوئی خواہش رد نہیں کی ہے ....." اسے اپنے والدین سے اپنی بات منوانے کا فن آتا تھا۔ سعید صاحب اب اسے الجھن آمیز نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"بیٹا! آپ شاید بھول رہی ہیں کہ ابھی آپ اسٹوڈنٹ ہیں اور بہت کم عمر ہیں ......"

"مجھے علم ہے ابو! لیکن میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میرا شوق میری تعلیم پر اثر انداز نہیں ہوگا، میں احسن بھائی کے ساتھ ہی جایا کروں گی اور واپس بھی آیا کروں گی، پلیز ابو ...... پلیز مان جائیں ......" پچھلے چند دنوں سے اس نے چپ سادھ رکھی تھی، اور اب اس چپ کا قفل ٹوٹا بھی تھا تو کیسے؟ سعید صاحب کا دل اس کے ملتجی انداز پر ذرا سا پگھلا تھا۔

"ٹھیک ہے! اگر کوئی اچھا پروگرام ملتا ہے تو ٹرائی کر لو، مگر کالج ٹائم میں نہیں ......"

"جی ...... جی ابو ...... کالج ٹائم میں نہیں کروں گی، کالج کے بعد مغرب سے پہلے کوئی اچھا پروگرام ملا تو کروں گی نہیں تو چھوڑ دوں گی ...... پرامس ......"

"پھر ٹھیک ہے ...... اپنی امی کو بتایا؟" وہ دوبارہ کھانا شروع کر چکے تھے، علیزہ کی خوشی دیدنی تھی۔

"نہیں ابو! امی اجازت نہیں دیں گی۔ جب تک میں ایڈیشن نہ دے لوں تب تک پلیز آپ بھی امی سے ذکر مت کیجئے گا ...... پلیز۔" اب کی بار وہ مسکرائے تھے۔

"ٹھیک ہے، نہیں کروں گا ...... اب جاؤ، کچھ پڑھ لو، کوئی مسئلہ تو نہیں ہے ناں پڑھائی میں ......"

"نہیں ابو الحمدللہ سب ٹھیک چل رہا ہے ...... آپ بہت اچھے ہیں، تھینک یو سوچ۔" عقیدت سے ان کا ہاتھ تھام کر بوسہ دیتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، تو سعید صاحب اپنی سادہ لوح بیٹی کے پیار اور معصومیت پر پھر سے مسکرا دیے۔

علیزہ کو اب کچھ کر کے دکھانا تھا، اسے کسی پر اپنی قابلیت، اپنی اہمیت واضح کرنا تھی لہٰذا سعید صاحب کے بعد اپنے بھائی حسن کو منا کر اس روز چھٹی کے بعد وہ ریڈیو پاکستان چلی آئی تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ حکمران ہالا کی لاپرواہی اور بے توجہی نے ریڈیو لاہور کے داخلی گارڈن کو بے رونق کر دیا تھا۔ حسن کے ساتھ جس وقت وہ گیٹ پر کھڑے گن مین سے گٹ مٹ کر کے داخلی دفتر تک آئی تو اس کی ٹانگیں ہلکے ہلکے کپکپا رہی تھیں۔ جانے اسے آگے کیا رسپانس ملنے والا تھا۔ داخلی گیٹ سے چند قدموں کے فاصلے پر چھوٹا سا دفتر تھا، وہاں ایک ہینڈسم سے نوجوان لڑکے کو بیٹھا دیکھ کر بے ساختہ وہ پریشان ہوگئی۔ ساتھ میں بھائی تھا اور وہ اس چیز پر اعتراض کر سکتا تھا کہ تو جوان لڑکوں کے ساتھ تمہیں کام کرنے کی اجازت نہیں مل سکتی، مگر صد شکر کہ لب بھینچے وہ خاموش سا اس کے ساتھ آگے چلا آیا تھا۔ دفتر میں موجود نوجوان ان سے کافی

خوش اخلاقی سے پیش آیا تھا، اس کی جاب کے بارے میں حسن نے ہی بات کی تھی، اور اب ایس ڈی سے ملنے کا فریضہ بھی اسے ہی انجام دینا تھا۔ وہ جس وقت ڈیوٹی روم میں آ کر بیٹھی، احسن رضا کا پروگرام ہی چل رہا تھا، یکلخت اس کا دل تیزی سے دھڑکا تھا مگر اس نے خود پر قابو پا لیا۔ اسے اب ہر حال میں احسن رضا سے اپنی تحقیر کا بدلہ لینا تھا۔ ایس ڈی صاحب کسی ضروری میٹنگ میں مصروف تھے، لہٰذا وہ ڈیوٹی روم میں بیٹھی ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی رہی۔ ڈیوٹی روم میں موجود آفیسر ایک پرانی سی ٹیپ پر احسن رضا کا لائیو پروگرام سن رہی تھی، اور اپنے کام بھی ساتھ ساتھ نپٹاتی جارہی تھی۔ حسن اسٹوڈیو سے ملحقہ خاصے بڑے سے ہال میں بیٹھے چند کمپیئرز کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا۔ ایس ڈی صاحب اس کے بہت کلوز فرینڈ حاشر کے سگے ماموں تھے لہٰذا اسی کا حوالہ لے کر وہ یہاں آیا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں اب چار بجا رہی تھیں۔ احسن رضا کا پروگرام ختم ہو چکا تھا، وہ ڈیوٹی آفیسر کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھی۔ جب کوئی ڈیوٹی روم کا دروازہ کھول کر قدرے تھکا تھکا سا اندر داخل ہوا، اور سیدھا واش روم میں گھس گیا۔ وہ آنے والے کی بس ایک جھلک ہی دیکھ پائی تھی۔ کوئی خاص ہینڈسم شخص نہیں تھا۔ ڈیوٹی آفیسر اس سے اس کا بائیو ڈیٹا پوچھ رہی تھی، اور وہ سادگی سے سب بتاتی جارہی تھی۔ اگلے پانچ منٹ میں واش روم کا دروازہ کھلا اور اس میں گھسنے والا شخص تاول سے ہاتھ صاف کرتا اس کے قریب ہی ایک کرسی پر ٹک گیا۔

"احسن! آج پھر تمہارے پروگرام میں مسرت حیات کا تذکرہ تھا، پہلے بھی سمجھایا تھا کہ لسنرز اعتراض کرتے ہیں اس بات پر...... تم خیال کیوں نہیں رکھتے......" تھوڑے سے سخت انداز میں اس کے سامنے ہی ڈیوٹی آفیسر نے احسن رضا کو ڈانٹا تھا اور وہ ہکا بکا سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ اگر یہ وہی احسن رضا تھا کہ جس کے بدل جانے کا وہ ابھی تک سوگ منا رہی تھی، تو ہرگز اپنی آواز سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ ڈیوٹی آفیسر کی ڈانٹ کے جواب میں وہ اب کہہ رہا تھا۔

"وہ اچھی لڑکی ہے آپا! بہت زبردست خط لکھتی ہے...... آپ دیکھیں تو سہی کبھی اس کے خط بندے کا دل چاہتا ہے آغاز بھی اسی پر کرے اور اختتام بھی...... اب تو لسنرز بھی اسے کافی پسند کر رہے ہیں......" اپنے مقابل بیٹھی علیزہ کو اس نے قطعی نظر انداز کر دیا تھا۔

"اچھی لڑکی کے بچے، تمہاری بیگم نے سن لیا، ناں کسی دن پروگرام تو خوب خبر لے گی تمہاری...... اب سدھر جاؤ......"

"سدھرا ہی ہوا ہوں، وہ نہیں سنتی ریڈیو، کیبل اور نیٹ کی دیوانی ہے، آپ اس کی طرف سے قطعی بے فکر رہیں......" اس شخص کی زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ اسے تکلیف پہنچا رہا

تھا۔ وہ اس سے محبت کی دعویدار نہیں تھی مگر اس شخص نے اسے زندگی میں پیار کرنا سکھایا تھا، معمولی شکل و صورت کا مالک ہونے کے باوجود اپنی آواز سے خواب بن کر اس کی آنکھوں میں سمایا تھا۔ اس پر ابھی ابھی یہ انکشاف بھی ہوا تھا کہ وہ شادی شدہ تھا، جبکہ جس وقت علیزہ نے اس کا پروگرام سننا شروع کیا تھا، تب اکثر لڑکیوں کے خطوط کے جواب میں وہ خود کو غیر شادی شدہ ہی ظاہر کرتا تھا۔ علیزہ نئے سرے سے جی بھر کر خوب ہرٹ ہوئی۔ وہ اپنی نشست سے اٹھ کر جس وقت روم سے باہر گیا، تب ڈیوٹی آفیسر نے اسے بتایا۔

"یہ احسن رضا ہیں یہ ایس ڈی صاحب کے بیٹے! یہاں پیش ہونے والے بیشتر پروگراموں کی یہی میزبانی کرتے ہیں اور ماشاء اللہ سامعین میں بہت مقبول بھی ہیں، ابھی چند ہفتے قبل شادی ہوئی ہے ان کی......" ڈیوٹی آفیسر بتاتی جارہی تھی، اور اس کا پہلے سے سن دماغ جیسے مزید ماؤف ہوتا چلا جارہا تھا۔

......❁......

راولپنڈی سے لاہور تک کے سفر نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔ سرخ اینٹوں سے تعمیر اس شاندار سے گھر کے سامنے گاڑی روک کر اس نے اپنی جیب سے اپنی ماں کا دیا ہوا ایڈریس نکالا اور اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد گاڑی سے نکل کر ڈور بیل پر انگلی رکھ دی۔ اس کی بیل کے جواب میں گیٹ پر ایک ننھا منا سا خوبصورت بچہ باہر نکلا تھا۔

"جی! السلام علیکم......" پورے اعتماد سے سر اٹھا کر گردن اونچی کرتے ہوئے بچے نے یوں اس سے پوچھا کہ ایک پل کے لیے تو وہ تعریفی نگاہوں سے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ پھر ایڑھیوں کے بل اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے پیار سے بولا۔

"وعلیکم السلام! کیا علیزہ بی بی اسی گھر میں رہتی ہیں......"

"جی! یہیں رہتی ہیں......آپ کون ہیں؟"

"میں ...... میں ان کا عزیز ہوں، ان سے کہو کہ عمر انکل آئے ہیں، راولپنڈی والے......" وہ جانتا تھا کہ اس کی ماں نے علیزہ سے اس کے متعلق بات کی ہے، تبھی بلا جھجک کہہ دیا تھا۔ بچے نے اس کی اطلاع پر آہستہ سے سر ہلایا، پھر بولا۔

"او کے، آپ یہیں رکیں، میں آنٹی سے پوچھ کر آتا ہوں......ورنہ مما مجھے ماریں گی......" عمر اس ننھے فرشتے کی معصومیت پر پھر مسکرا دیا تھا۔

"او کے......" مسکرا کر کہنے کے ساتھ ہی وہ کھڑا ہو گیا۔ بچہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے دوڑ کر گھر کے اندر گیا اور اگلے تین منٹ میں پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ دوبارہ اس کے مقابل آ گیا۔

"انکل! آنٹی کہہ رہی ہیں کہ اندر ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ جائیں......وہ ابھی نماز پڑھ رہی ہیں......"

"او کے......" بچے کی سانس سے سانس نہیں مل رہی تھی، وہ اس کی ہمراہی میں گھر

کے اندر چلا آیا۔ اپنے ظاہری طرح گھر اندر سے بھی بہت قابل ستائش تھا۔ اسے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ابھی بمشکل پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ چائے آ گئی۔ اس وقت اسے چائے کی طلب بھی محسوس ہو رہی تھی لہٰذا شکریہ کے ساتھ لوازمات سے بھری ٹرے کو سائیڈ پر کھسکا کر اس نے صرف چائے کا کپ اپنے لیے اٹھا لیا۔ ابھی کپ آدھا ہی خالی کر پایا تھا کہ ایک مشفق خاتون چہرہ اچھی طرح سفید دوپٹے سے ڈھانپے وہاں چلی آئیں۔ عمر انہیں دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہوا تھا۔

"السلام علیکم......"

"وعلیکم السلام......" بہت پیار اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ اس کے سامنے والے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔

"میں علیزہ کی آنٹی ہوں......میری بیٹی کے ساتھ ہی اسکول اور کالج میں پڑھتی رہی ہے وہ......الحمدللہ یہاں بہت خوش ہے مگر اسی ہفتے میں بیٹی کو رخصت کر رہی ہوں، اس لیے اس پگلی نے بھی مزید یہاں رہنے سے انکار کر دیا ہے۔ ایدھی سنٹر کی رٹ لگائے ہوئے ہے مگر میری بیٹی کی طرح ہے، کیسے ضد مان لوں اس کی......پھر الحمدللہ ماں باپ، بہن بھائی سب سلامت ہیں۔ تمہیں سائرہ آپا نے سب بتایا تو ہوگا......" وہ بولنے کی بے حد شوقین تھیں، عمر کپ ٹیبل پر رکھ کر محض جلدی سے اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"جی......مختصراً بتایا تھا امی نے......"

"بس بیٹا......حادثے بتا کر تھوڑی آتے ہیں زندگی میں......میں ہیبہ اور تمہاری امی تینوں بہت اچھی دوست تھیں، ساری دنیا ہماری محبت، دوستی اور اچھے کردار کی مثال دیتی تھی، اپنے بچوں کی تربیت بھی میں نے یونہی سختی سے کی ہے۔ ماشاءاللہ دو بچے ہیں میرے، ایک بڑا بیٹا اور ایک بیٹی، بیٹے کا جنرل اسٹور ہے...... چھ سال پہلے شادی کی تھی اسکی ...... اب تو دو پیارے پیارے بیٹوں کا ابا بھی بن چکا ہے...... بہو اللہ نے بہت اچھی دی ہے، سارے گھر کا کام کرتی ہے، اب بیٹی کی شادی کر رہی ہوں، دعا کرنا، اللہ نصیب اچھے کرے......" عادت کے عین مطابق وہ پھر شروع ہو گئی تھیں۔ عمر مجبوراً اِدھر اُدھر نگاہ دوڑانے پر مجبور ہو گیا۔ اگلے کچھ ہی منٹس میں علیزہ نماز سے فارغ ہو کر وہیں چلی آئی۔

"السلام علیکم......" کمرے میں داخل ہو کر اس پر نگاہ پڑتے ہی اس نے سلام جھاڑا تھا، عمر اس کی طرح دیکھتے ہوئے ایک مرتبہ پھر اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا۔

"وعلیکم السلام......" سفید دوپٹے کے ہالے میں لپٹے اداس سے چہرے والی وہ لڑکی

واقعی اس قابل تھی کہ اسے یادرکھا جاتا۔ وہ اس کے مقابل بیٹھی خاتون کے پہلو میں بیٹھ گئی تھی مگر اس کی نگاہیں اب بھی بے خودی میں اس پاکیزہ سے معصوم چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

❁

چلو تم کو بتاتے ہیں
کہ تم کو دیکھ کر دل نے کہا
تم رشتہ جاں سے بھی بڑھ کر ہو
دعا کی سرحدوں پر جو ادھوری ہے
میری ایسی تمنا ہو

علیزہ بڑے سلیقے سے اپنا آنچل سمیٹتی اس کے مقابل بیٹھ گئی تھی، جب نادیہ کی مما نے اسے عمر کے بارے میں بتایا۔

''یہ عمر ہے بیٹا! سائرہ آپا کا بیٹا۔ تمہاری امی اور میری بہت اچھی دوست ہیں سائرہ آپا...... انہوں نے ہی تمہاری امی کی خواہش پر اسے یہاں بھیجا ہے...... سب کچھ بتایا تھا ناں تمہیں......؟''

''جی......'' علیزہ کا جھکا سر مزید جھک گیا، اس کی آنکھیں اس وقت آنسوؤں سے پُر تھیں۔ تبھی عمر نے گلا صاف کر کے کچھ کہنے کی جسارت کی۔

''مس علیزہ...... مجھے امی نے آپ کو ساتھ لے جانے کے لیے بھیجا ہے......''

''لیکن...... ابھی تو میں کہیں نہیں جا سکتی......'' بھیگی پلکوں کے ساتھ سر اٹھا کر اس نے فوری انکار کیا تھا، جس پر آسیہ بیگم (نادیہ کی ماں) بولیں۔

''ہاں بیٹے! میں نے پہلے ہی عمر بیٹے کو بتا دیا ہے، ابھی تو نادیہ کی شادی کی تیاریاں چل رہی ہیں...... اس سے فارغ ہو کر ہی کہیں جانا چاہو تو جا سکو گی'' عمر نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھی علیزہ پر ڈالی۔ پھر آسیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے آسیہ سے رُخ پھیر لیا۔

''کوئی بات نہیں...... آپ جب مکمل فارغ ہوں اور میرے ساتھ میرے گھر چلنا چاہیں...... تو مجھے کال کر دیجئے گا...... میں آجاؤں گا......'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنا کپ میز پر رکھ دیا۔

''لو، یہ کیا بات ہوئی...... کیا تم اور سائرہ آپا شادی میں نہیں آؤ گے......؟''

''آپ بلائیں گی تو ضرور آئینگے...... فی الحال اجازت دیجئے...... امی انتظار کر رہی

ہونگی......'' کہنے کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا تو علیزہ اور آسیہ بیگم بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''فی امان اللہ بیٹے...... شادی میں ضرور آنا...... میں ابھی سے انوائیٹ کر رہی ہوں......'' آسیہ بیگم کو وہ بہت اچھا لگا تھا، عمر نے فرمانبرداری سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''جی کیوں نہیں...... انشاء اللہ دوبارہ ملاقات ہو گی'' وہ آسیہ بیگم سے کہہ رہا تھا مگر نگاہیں علیزہ کے سادہ سے سراپے پر تھیں۔ اس روز لاہور سے راولپنڈی واپس آتے ہوئے ڈرائیونگ کے دوران اس کے دھیان میں صرف اور صرف علیزہ تھی۔ سادہ سے حلیے میں ملبوس اس کی پسندیدہ لڑکی کے سراپے میں ڈھلی، وہ پیاری سی لڑکی گھر واپس پہنچنے تک اس کے تصور سے الگ نہیں ہوئی تھی۔ گھر پہنچنے کے بعد اس نے سائرہ بیگم کو علیزہ کے جواب اور مجبوری سے آگاہ کر کے مطمئن کر دیا تھا مگر خود کو مطمئن نہ کر سکا۔

رات میں جب وہ سونے کے لیے بستر پر ثانیہ کے پاس لیٹا تو پہلی بار اس کے دل نے یہ خواہش کی کہ کاش! اس کے ساتھ ثانیہ کی بجائے علیزہ لیٹی ہو...... اس رات پہلی بار وہ کروٹ پہ کروٹ بدلتا جانے اپنے مستقبل کے لیے کیا کیا سوچتا رہا تھا۔ اگلے آنے والے دنوں میں اس کا علیزہ سے فون پر رابطہ بحال ہو گیا تھا، بعد میں نادیہ کی شادی پر وہ سائرہ بیگم کے ساتھ دوبارہ لاہور آیا تو علیزہ کے بارے میں اور بھی گہرائی سے جاننے کا موقع ملا۔ دونوں کے درمیان اجنبیت کی دیوار ڈھے گئی تھی اور اب عمر کی کوششوں سے وہ اس پر خاصا اعتماد کرنے لگی تھی۔ علیزہ کے ماضی یا اس کے ساتھ ہونے والے کسی بھی ٹریجڈی سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لہٰذا اب تک اس موضوع پر اس کی علیزہ سے کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ نادیہ کی شادی کے موقع پر اس نے اپنے حسن اخلاق اور شوخیوں سے اسے اپنی طرف مائل کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی اور وہ بہت حد تک اس کا خوف اور جھجک ختم کرنے میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ سائرہ بیگم نادیہ کی رخصتی کے فوراً بعد اسے اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش مند تھیں، مگر علیزہ نے یہ کہہ کر کہ ابھی گھر میں اس کی ضرورت ہے، انہیں پھر خالی ہاتھ لوٹا دیا تھا۔ اب نادیہ کی شادی کے پورے دو ہفتوں کے بعد عمر پھر اسے اپنے ساتھ لینے اسپیشلی لاہور آیا تھا، اور اب وہ اپنا تمام سامان سمیٹ کر اس کے ساتھ چلی آئی تھی، تاہم اس نے عمر سے ریکویسٹ کی تھی کہ وہ گھر جانے سے قبل اسے بچوں کے ایدھی سینٹر اسلام آباد کا دورہ ضرور کروائے۔ اسی کی فرمائش پر وہ اسے لے کر جب اسلام آباد پہنچا تھا تو شام ڈھل چکی تھی، موسم کے تیور بھی خاصے جارحانہ تھے، لہٰذا ایک رات کے لیے اس نے ہوٹل میں قیام کا فیصلہ کر کے اپنے اور علیزہ کے لیے علیحدہ علیحدہ کمرے کرائے پر لے لیے، رات

بہت دیر تک علیزہ اسی کے کمرے میں بیٹھی اس سے اسی کے حال، مستقبل، ماضی کی باتیں کرتی رہی اور عمر اپنے لیپ ٹاپ پر ضروری کام نپٹاتا رہا۔ بعدازاں وہ اُٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی تو عمر نے چائے آرڈر کردی اور نیند نہ آنے کے باعث دونوں کپ اٹھا کر علیزہ کے کمرے میں چلا آیا کیونکہ اس کے کمرے کی لائیٹ بھی تا حال روشن تھی۔

صبح ناشتے کے بعد ہوٹل سے نکل کر اب تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی سلو ڈرائیونگ کے بعد وہ راولپنڈی اپنے گھر پہنچ چکا تھا۔ صحن کے سامنے ہی برآمدے میں اس کی بیوی بیٹھی اپنے بیٹے کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ عمر کے ساتھ علیزہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر بڑی واضح ناگواری کے تاثرات ابھرے تھے۔

''آ گئے آپ...... خیر تو ہے...... کہیں گھر کا راستہ تو نہیں بھول گئے تھے؟'' اس کے لہجہ میں کاٹ تھی، عمر برداشت کر گیا۔

''یہ ثانیہ...... میری بیوی......'' اسکا سوال نظر انداز کر کے عمر نے پھر علیزہ کی طرف دیکھا۔ جس پر وہ جل بھن گئی۔

''محض بیوی نہیں...... بدنصیب بیوی...... جسے تمہاری زندگی میں آنے کے بعد ایک پل کا سکون نصیب نہیں......'' علیزہ نے دیکھا بے ڈھنگے سے حلئے میں اس کے سامنے کھڑی وہ عورت کسی طرح سے قابلِ برداشت نہیں لگ رہی تھی۔

''آنٹی کہاں ہیں؟'' عمر نے بالکل صحیح کہا تھا، اس کی بیوی خالص جھگڑالو عورت تھی، وہ ان کے آپسی جھگڑے سے جلد ہی کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے عمر سے سائرہ بیگم کا پوچھ بیٹھی۔ جب اس نے بتایا۔

''اندر اپنے کمرے میں ہمارا انتظار کر رہی ہوں گی...... آؤ چلتے ہیں......'' پھر سے اس کا سفری بیگ اٹھا کر وہ اپنی ماں کے کمرے کی طرف بڑھا تو اس کی بیوی نے غصے میں اپنے منہ بسورتے بچے کو رکھ کر ایک چانٹا دے مارا۔

''منحوس مارا، جیسا باپ...... ویسا بیٹا...... میری ہی قسمت میں لکھے بیٹھے تھے یہ انمول ہیرے......'' اس کے غصے کا گراف کسی طور پر نیچے نہیں آرہا تھا۔ عمر نے پھر درگزر سے کام لیا تھا۔

❁

کاش ہم سمجھ لیتے

منزلوں کی چاہت میں راستہ بدلنے سے

فاصلہ نہیں گھٹتا

دو گھڑی کی قربت میں، چار پل کی چاہت میں

لوگ لوگ رہتے ہیں، قافلہ نہیں بنتا

ہاتھ میں دبا لے کر ہونٹ پر دعا لے کر

منزلوں کی چاہت میں چل بھی دیں تو کیا ہوگا؟

خواہشوں کے جنگل میں اتنی بھیڑ ہوتی ہے

کہ عمر کی مسافت میں راستہ نہیں ملتا

قافلہ نہیں ملتا

ہمسفر نہیں ملتا، شاید کچھ نہیں ملتا

وہ ریڈیو سے انٹرویو دے کر گھر واپس آئی تو تھکن سے برا حال ہو رہا تھا۔ ٹوٹ کر رونے کی خواہش میں اعصاب بوجھل ہو کر رہ گئے تھے۔ اب اسے نہ ریڈیو پروگرامز میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی، نہ ریڈیو جاب میں...... شاید یہی وجہ تھی کہ اپنے پہلے آڈیشن میں وہ ایس ڈی صاحب کو مطمئن نہیں کر سکی تھی، لیکن حاشر کے حوالے کی وجہ سے انہوں نے اسے دوبارہ کوشش کرنے کی ہدایت ضرور جاری کر دی تھی۔ دوسری بار کوشش میں پھر بے دلی کے باعث وہ کامیاب نہ ہو سکی، تاہم تیسری بار چانس ملنے پر جب اسے احسن رضا کے سامنے ایڈیشن دینا پڑا تو اس کے اندر کی خفیہ صلاحیتیں کھل کر باہر آ گئیں۔ دو بار بُری طرح ناکام ہونے والی لڑکی اس بار اپنے اعتماد اور دلکش انداز میں بولنے کی صلاحیت سے مالا مال دکھائی دیتی، ایس ڈی کے بیٹے کو بے حد متاثر کر گئی تھی۔ وہ اس کی تعریف کر رہا تھا اور اسے اپنے ساتھ پروگرام میں شامل ہونے کی دعوت دے رہا تھا، مگر اس نے انکار کر دیا۔ احسن اس سے بے حد خفا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں کتاب کھولے گم صم سی بیٹھی تھی۔ جب وہ اچھی طرح واویلا مچانے کے بعد اس کے کمرے میں چلا گیا۔

''علیزہ! میرا بس نہیں چل رہا کہ میں تمہارا سر دیوار سے دے ماروں......''

''کیوں...... میں نے کیا کیا ہے؟''

حسن کے سٹپٹانے پر کمال بھولپن سے اس نے پوچھا تو اس نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''کیا کیا ہے...... اچھا خاصا تماشا بنا کر رکھ دیا ہے تم نے میرا...... پہلے ریڈیو کا بھوت سر پر سوار ہوا، پھر پاپا کی اجازت کا مرحلہ بھی طے کر لیا تم نے...... تمہاری وجہ سے صرف تمہاری

خوشی کے لیے میں نے حاشر کی سفارش لی، جس کے میں شدید خلاف ہوں، اور اب دو مرتبہ خواری کے بعد جب تم کامیاب ہو گئی ہو تو قدم بغیر کسی وجہ کے پیچھے ہٹا لیے ہیں..... کیوں؟" وہ شدید الجھن کا شکار تھا۔ علیزہ نے سر جھکا لیا۔

"میرا دل بدل گیا ہے..... اب اسٹڈی کی طرف توجہ دوں گی......"

"پہلے یہ نادر خیال کیوں نہیں آیا تمہیں..... مفت میں خوار کیا مجھے......"

"سوری......" اس نے گویا بات ہی ختم کر دی۔ حسن سخت خفگی کے انداز میں سر جھٹکا اس کے کمرے سے واک آؤٹ کر گیا تھا۔

❁

عشق صحرا ہے کہ دریا، کبھی سوچے وہ بھی
اس سے کیا ہے میرا ناطہ کبھی سوچے وہ بھی
یہ الگ بات جتایا نہیں میں نے اس کو
ورنہ کتنا اسے چاہا کبھی سوچے وہ بھی
اس کو آواز لکھا، چاند لکھا، پھول لکھا
میں نے کیا کیا اسے لکھا کبھی سوچے وہ بھی
مطمئن ہوں اسے لفظوں کی حرارت دے کر
میں نے کتنا اسے سوچا کبھی سوچے وہ بھی

احسن رضا کی وجہ سے ہی اسے ریڈیو سے محبت ہوئی تھی، اور احسن رضا کی وجہ سے ہی وہ ریڈیو سے دور بھی ہو گئی۔ اب ایک مرتبہ پھر مکمل طور پر ریڈیو سے کنارہ کش ہو کر اس نے اپنی تمام تر توجہ تعلیم کی طرف مبذول کر لی تھی۔ فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر میں شاندار کامیابی کے بعد نادیہ کے ساتھ ہی اس نے کو ایجوکیشن کالج میں داخل لیا تھا، اب کالج سے گھر واپسی کے بعد وہ ونیزہ اور وصی کے ساتھ مل کر پہلے کی طرح خوب ہلا گلا بھی کرتی تھی اور کھیلتی بھی تھی۔ کبھی کبھی سعید صاحب اور حسن جلدی گھر آ جاتے تو وہ انکے ساتھ بھی تھوڑی موج مستی کر لیتی۔ ان دنوں وہ اپنی کلاس سے ابتدائی تعارف کے مرحلے سے گزر رہی تھی جب اس کی زندگی میں ایک اور نیا موڑ آیا۔ اس روز دھوپ میں بہت شدت تھی۔ صبح نماز فجر کی ادائیگی کے بعد وہ کچن میں انیسہ بیگم کے ساتھ ناشتے کی تیاری کرواتی رہی۔ سعید صاحب اور حسن آج کل جلدی گھر سے روانہ ہو جاتے تھے۔ لہٰذا انیسہ بیگم نماز فجر کی ادائیگی کے فوراً بعد کچن میں آ جاتی تھیں۔ جب تک وہ چائے

بنا کر آٹا گوندھتی، علیزہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو جگا کر انہیں اسکول کے لیے تیار کر دیتی، پھر جب انیسہ بیگم سب کو ناشتہ دے رہی ہوتیں، وہ آملیٹ بنا بنا کر سب کو دیتی جاتی، کسی کو رات کا سالن، دہی یا بوائل انڈہ چاہیے ہوتا...... تو وہ بھی تیار کر کے دے دیتی۔ اس کے بعد خود سکون سے بیٹھ کر انیسہ بیگم کے ساتھ ناشتہ کرتی، پھر کالج کے لیے تیاری پکڑتی، جب تک نادیہ وین میں اسے لینے کے لیے پہنچتی، وہ بالکل تیار ملتی۔ اس روز بھی نادیہ کے ساتھ ہی وہ کالج پہنچی تو ان کی مشترکہ کلاس فیلو گڑیا نے کلاس میں داخل ہوتے ہی انہیں اطلاع فراہم کی۔

"نادیہ..... علیزہ..... یار بڑی بمباسٹک نیوز ہے تمہارے لیے......" وہ دونوں ہی اس کی اطلاع پر حیران ہوتیں اپنی نشستوں پر بیٹھی تھیں۔

"اچھا..... وہ کیا......؟"

"یار..... وہ علی رضا نہیں تھا..... جس کے بارے میں مختلف قصے ساری کلاس کے لبوں پر جاری رہتے ہیں......"

"ہاں! لیکن ہمیں اس کے بارے میں کیا پتہ...... ہم نے تو ابھی یہ کالج جوائن کیا ہے...... خیر کیا ہوا اسے......؟" گڑیا کے پُرجوش لہجہ کے جواب میں نادیہ نے سنجیدگی سے کہا تھا۔ جب گڑیا ان دونوں کے سامنے ہی بینچ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اسے کیا ہونا ہے...... آج کالج آیا ہے وہ، ہمارا تو پچھلے دو سالوں کا ساتھ ہے...... خوب جانتے ہیں سب اس کے بارے میں، جتنا حسین اور سحر انگیز شخصیت کا مالک ہے اتنا ہی فلرٹی ہے...... کسی بھی لڑکی کو چٹکی میں پٹانا چنداں مشکل نہیں اس کے لیے...... تم دونوں کو اسپیشلی اس کے لیے بتا رہی ہوں کہ اس سے ذرا احتیاط ہی رکھنا...... پرنسپل کا بیٹا ہے، بندہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتا......" گڑیا کلاس کی سب سے زیادہ چرب زبان اور "چھٹا پرزا" قسم کی لڑکی تھیں۔ علیزہ علی رضا نامی لڑکے کی "مداح سرائی" میں اس کے الفاظ پر خفیف سی مسکرا کر رہ گئی۔

"لگتا ہے آپ کو ہاتھ لگ چکے ہیں ان صاحب کے......"

"اللہ معاف کرے، مجھے کیوں ہاتھ لگیں اس فلرٹی کے...... میں تو اس لیے جانتی ہوں کہ پچھلے دو سالوں میں کلاس کی کئی لڑکیاں اس کے ہاتھوں بیوقوف بن کر خود کو فضول روگ لگا چکی ہیں...... جال تو خیر مجھ پر بھی پھینکا تھا اس نے، مگر میرے والدین نے پہلے ہی میرے کزن سے نکاح کروا کے میرا بندوبست کر دیا...... اسی لیے میں اس کے دام الفت میں نہیں پھنسی...... ورنہ کیا عجب کہ میں بھی اس کی جادوئی باتوں اور سحر انگیز شخصیت کے حصار میں گڑ کر

اب روتی پھر رہی ہوتی......" وہ ضرورت سے زیادہ صاف گو اور منہ پھٹ بھی تھی۔

"چلو اچھی بات ہے...... اللہ کا یہ کرم بھی اس کے خاص بندوں پر ہی ہوتا ہے...... اور عورت کے لیے تو اپنی عصمت کی حفاظت سے زیادہ اور کوئی چیز اہمیت کی حامل ہوتی بھی نہیں، کیا ضروری ہے کہ نفس کی آگ میں ہر روح جلے، کچھ نیک روحوں کو وہ مالک اپنی جناب سے بچا لیتا ہے......" نادیہ کی ہر بات میں پختگی ہوتی تھی۔ علیزہ دل ہی دل میں اسے سراہ کر رہ گئی۔

"ہاں یار! خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن پر اللہ رب العزت کا اتنا کرم ہوتا ہے، قطعی ضروری نہیں کہ ہمارے سامنے اگر کوئی آگ میں گر رہا ہے تو ہم بھی وہ تجربہ کر کے اس کے اثرات دیکھنے کے لیے اسی آگ میں کود پڑیں، اپنے نفس سے جنگ کرنا ایک عورت کے لیے بہت کٹھن ہے، مگر سچ کہتی ہوں نادو...... جو لوگ یہ پل صراط پار کر لیتے ہیں، پھر انہیں وہ راحت نصیب ہوتی ہے کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا......" بولتے بولتے وہ جیسے کھوسی گئی تھی۔ نادیہ نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔

"سچ کہتی ہو یار...... ابھی بھی اچھی شوخ دیکھنے والی لڑکیوں یا لڑکوں کی کمی نہیں ہے، مگر ہمارا المیہ تو وہ مچھلی اور تالاب والا ہے...... کوئی مرد اگر ایک لڑکی کو ٹریپ کر لیتا ہے تو پھر دوسری کسی بھی لڑکی کے جذبات سے کھیلنا اس کے لیے مشکل نہیں رہتا...... جیسے جیسے یہ تعداد بڑھتی ہے، ویسے ویسے مرد کے حوصلے بھی بڑھتے رہتے ہیں، مرد کی ذرا سی التفات پر اپنا سب کچھ لٹا دینے والی لڑکیاں یہ نہیں سوچتیں کہ ان کے اس غلط اقدام کی وجہ سے ان کی ہم جنس دوسری لڑکیوں کی زندگی پر اس کا کیا اثر پڑے گا...... موجودہ وقت کے المیہ حادثات و واقعات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو بے ساختہ اپنے مذہب اسلام اور اپنے امتِ محمدی ہونے پر رشک آتا ہے۔ ہمارے مذہب نے بدکاری کے لیے عورت اور مرد کو جو سزا دینے کا حکم دیا، اگر وہ ملک میں نافذ ہو جائے تو کس کی مجال ہے کہ ہوا کی بیٹی کو سڑکوں، ہوٹلوں، ہوسٹلوں میں پامال کرتا پھرے، بات ساری سمجھ کی ہے، مگر افسوس کا مقام تو یہی ہے ناں کہ یہاں کوئی سمجھتا ہی نہیں......" بات سے نکلتی بات اب انفرادی سے اجتماعی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ نادیہ چپ ہوئی تو علیزہ نے بھی گفتگو میں اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھ لیا، کیونکہ کلاس شروع ہونے میں ابھی کچھ ٹائم تھا۔ "نادیہ بالکل صحیح کہہ رہی ہے۔ تمہیں یاد ہے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفٰے ﷺ اور خود اللہ کی پاک ذات نے کھلم کھلا یہود و نصاریٰ کو مسلمانوں کا دشمن قرار دیا ہے اور یہ ارشاد بھی فرمایا ہے کہ "یہود و نصاریٰ کبھی تمہارے (یعنی مسلمانوں کے) دوست نہیں ہو سکتے، یہ ہمیشہ تمہیں تکلیف پہنچا کر راحت محسوس

کریں گے، اور دیکھ لو، ہمارے پیارے نبی ﷺ کا کہا آج سچ ثابت ہو رہا ہے، کوئی دن ایسا طلوع نہیں ہوتا جب دنیا کے کسی گوشے، یا اسپیشلی ہمارے پاکستان میں مسلمانوں کا خون نہ بہتا ہو، یہ خودکش حملے، یہ بم دھماکے، یہ جنگ کس نے شروع کی۔ آج موبائل فون، انٹرنیٹ، کیبل ان سب فضولیات کے منفی استعمال نے ہماری نوجوان نسل کا ذہنی استحصال کیا ہے، اس کا ذمہ دار کون ہے؟ سب کو پتہ ہے، آنکھیں کسی کی بھی نہیں پھوٹی ہوئیں، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اب مسلمان، مسلمان کا بھائی نہیں رہا...... اب اگر ایک جگہ پر کوئی مسلمان درد سے تڑپ رہا ہے تو اسی جگہ پر دوسرا مسلمان بھائی کے درد اور بے بسی کا تماشہ دیکھتا لاتعلقی سے گزر جاتا ہے۔ روز سنتے ہیں آج فلاح جگہ پر 30 مر گئے، فلاں جگہ 50 مر گئے، مگر ایک لمحے کے افسوس کے سوا دل کو اور کچھ نہیں ہوتا، بلکہ افسوس صد افسوس کہ سو پچاس ہلاکتوں پر تو اب یہی کہتے ہیں کہ اس بار زیادہ نہیں مرے...... اب یہ تو وہ لوگ جانتے ہیں کہ ان پر کیا گزرتی ہوگی، جن گھروں کے چراغ اس اسلام دشمن یہودیوں کی گھٹیا چالوں اور سازشوں کی آندھی میں بجھ جاتے ہیں، مگر صحیح کہا نادیہ نے کہ یہاں سب نے اپنے ذہن اور ضمیر گروی رکھ دیے ہیں۔ اقتدار کو ہاتھ میں لینے کی پہلی شرط ہی ضمیر کا سودا ہے......" جوش جذبات میں وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی، نادیہ اور گڑیا دونوں نے اس لمبی چوڑی تقریر کے جواب میں اسے توصیفی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ تاہم اس سے پہلے کہ وہ دونوں اس سے کچھ کہتیں کسی کی تالی کی گونج پر علیزہ نے بے ساختہ سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

❁

علیزہ جب سے عمر کے ساتھ پنڈی اس کے گھر آئی تھی، اس کی بیوی سے اس کے اختلافات بڑھ گئے تھے۔ صد شکر کہ وہ ایدھی سنٹر سے بچہ اپنے ساتھ نہیں لائی تھی، وگرنہ کچھ شک نہیں تھا کہ اس کا یہاں رہنا بہت دشوار ہو جاتا۔ پنڈی پہنچنے کے بعد جب وہ سائرہ بیگم سے ان کے کمرے میں آ کر ملی تھی، انہوں نے نہایت والہانہ انداز میں اسے خود سے لپٹاتے ہوئے پیار کیا تھا۔ اگلے روز جب وہ بیدار ہوئی تو پھر گھر میں عمر اور اس کی بیوی کا ناشتے پر جھگڑا سننے کو ملا تھا۔ سائرہ بیگم اس کے بستر کے قریب ہی جائے نماز پر بیٹھی تسبیح کر رہی تھیں۔ تبھی وہ دونوں ہاتھوں سے بال سمیٹتے ہوئے اپنے بستر پر اٹھ بیٹھی۔

"آنٹی...... یہ ثانیہ، عمر سے ہر وقت جھگڑتی کیوں رہتی ہے...... کہیں اس کی وجہ میں تو نہیں ہوں؟"

"نہیں بیٹے، دنیا میں کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے جنہیں امن اچھا نہیں لگتا، سمجھ لو ثانیہ

بی بی بھی انہی لوگوں میں سے ایک ہیں......'' تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے مختصر مگر جامع جواب دے دیا تھا۔ جس پر وہ پھر پوچھ بیٹھی۔

''تو پھر آپ نے کیوں عمر کے لیے ایسی لڑکی کو پسند کیا؟ اپنے بیٹے کی عادات سے واقف تو تھیں ناں آپ......؟''

''ہاں بیٹے! میں تو واقف تھی، مگر تمہارے انکل کو ضد ہوگئی تھی...... یہ ''نایاب پتھر'' گھر میں سجانے کی...... میں نے اور عمر نے تو بہت مخالفت کی تھی مگر ہماری ایک نہیں سنی گئی، اب وہ تو رہے نہیں، یہ مصیبت ہمارے سر پر مسلط کر گئے، اگر ہوتا میرا بچہ ایسا ویسا تو کب کا چھوڑ چکا ہوتا...... کوئی دن ایسا نہیں نکلتا، جب یہ لڑکی اس کا خون نہ جلاتی ہو، مگر آفرین ہے جو یہ لڑکا کبھی اس پر ہاتھ اٹھاتا ہو یا طلاق کا لفظ زبان پر لاتا ہو، سچ پوچھو تو میں سخت عاجز ہوں اس لڑکی سے...... میرے بیٹے کی زندگی عذاب بنانے میں کوئی کسر نہیں رکھی اس لڑکی نے'' ان کے لفظ لفظ سے اپنی بہو کے لیے بیزاری ٹپک رہی تھی، علیزہ چپ چاپ سر جھکا گئی، اس نے نادیہ کے گھر میں اس کی امی کا ہولڈ دیکھا تھا، گو اس کی بھابھی بھی کوئی فرشتہ صفت خاتون نہیں تھی، مگر اپنے شوہر اور ساس کے احترام کا ضرور پتہ تھا اسے...... تبھی اتنے دن تک وہ وہاں ٹک گئی تھی، تاہم اب یہاں زیادہ دیر تک اپنا قیام کرنا اسے مشکل لگ رہا تھا۔

❁

میرے قریب رہا پھر بھی مجھ کو پڑھ نہ سکا
میرا وجود تو محفوظ اک کتاب میں تھا
کھلا جو نامہ، اعمال حشر میں میرا
بس ایک جرم محبت میرے حساب میں تھا

وہ چونکی تھی اور بے ساختہ سر اٹھا کر اس نے کلاس روم میں داخل ہونے والی شخصیت کو دیکھا تھا۔

''واہ! کمال کر دیا آپ نے...... زبردست......'' مخاطب کی شخصیت اسے کنفیوژ کرنے کے لیے کافی تھی، وہ چاہنے کے باوجود نگاہ جھکا نہ سکی۔

''بہت زبردست ڈی بیٹر ہیں آپ، لگتا ہے نئی آئی ہیں......'' بنا کسی جھجک کا مظاہرہ کیے وہ بڑے سکون کے ساتھ اس کے سامنے والی نشست پر ٹک گیا تھا، مکمل بلیک لباس کی حشر سامانیاں پہلی بار دیکھنے کو ملی تھیں اسے۔

''یہ علی ہے...... ابھی بتایا تھا ناں میں نے تمہیں'' گڑیا اس کے اچانک وہاں چلے آنے پر قدرے پزل دکھائی دے رہی تھی، تاہم نادیہ نے پورے اعتماد کے ساتھ علیزہ کا ہاتھ تھاما تھا۔

''تعریف کا شکریہ......'' کہنے کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو علی بول اٹھا۔

''آپ کی تعریف؟''

''کوئی تعریف نہیں، برائے کرم ہمیں اپنی جان پہچان کے دائرے سے باہر ہی رکھیں......'' اس کا لہجہ روکھا تھا، علی رضا کے گداز لبوں پر ہلکی سی محظوظ کن مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ایکسکیوزمی...... میں نے آپ کی نہیں، آپ کی دوست کی تعریف کی ہے، جان پہچان بھی نہیں ہے، آپ کیوں فضول میں اپنی انرجی ویسٹ کر رہی ہیں......''

''یہ میری دوست نہیں، بہن ہے، اور آئندہ پلیز اپنی شخصیت کا رعب ہم پر جھاڑنے کی کوشش مت کیجیے گا......'' نادیہ کا لہجہ روکھا ہی تھا، علیزہ کو اس کی اس درجہ بدتمیزی اچھی نہیں لگ رہی تھی، وجہ خواہ کچھ بھی ہو، مگر اسے اس وقت اتنے ہینڈسم شخص کے لبوں سے اپنے لیے تعریفی کلمات اچھے لگے تھے، تاہم پھر بھی وہ چپ رہی تھی کیونکہ نادیہ کے مزاج سے وہ اچھی خاصی واقف تھی۔

''کمال ہے، ابھی کلاس شروع بھی نہیں ہوئی اور آپ کا موڈ غیر اخلاقی حد تک خراب ہوگیا، بہرحال مجھے آپ سے کیا لینا دینا، میں تو ان کی ذہانت اور اچھا بولنے کی تعریف کر رہا تھا، لڑکیاں ایسی ہی اچھی لگتی ہیں...... سمٹی ہوئی، چپ چپ سی......'' مقناطیسی نگاہوں سے علیزہ کو اپنے سحر میں جکڑتے ہوئے وہ مزے سے کہہ رہا تھا، جب نادیہ نخوت سے سر جھٹکتی اس کا ہاتھ تھام کر علیزہ کو اپنے ساتھ کلاس سے باہر لے آئی۔

''نادیہ! تم نے اس کے ساتھ بالکل اچھا نہیں کیا، بیچارہ تعریف ہی تو کر رہا تھا میری اور تم......''

''چپ کرو تم......'' علیزہ کی بات درمیان میں ہی کاٹ کر اس نے اسے ڈپٹا تھا۔

''بیچارہ...... ایسے بیچارے نہیں ہوتے، جن کی آنکھوں سے ہمہ وقت ہوس ٹپکتی ہو، جہاں کوئی لڑکی دیکھ لی، لگے رال ٹپکانے، یہ ویسا بیچارہ ہے جیسا وہ تیرا ریڈیو کمپیئر تھا۔ دھوکے باز، خبردار جو تم نے اسے کبھی خود سے فری ہونے کا موقع دیا تو......'' نادیہ کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے، وہ چپ ہی رہی۔

''صحیح کہا تھا اس لڑکی نے...... بڑی شے ہیں یہ علی رضا صاحب، خدا کا واسطہ ہے تمہیں، عقل کے ناخن لے کر جوتے کی نوک پر رکھنا اسے ورنہ...... اپنا انجام تمہیں پتہ ہے

"ناں......" اب وہ براہ راست اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔علیزہ نے سرد آہ بھر کر چپ چاپ اثبات میں سر ہلا دیا۔

❁

چلو اک نظم لکھتے ہیں
کسی کے نام کرتے ہیں
مگر یہ سوچنا ہے اب کہ اس میں ذکر کس کا ہو
کہ اس میں بات کس کی ہو
کہ اس میں ذات کس کی ہو
اور یہ بھی فرض کرتے ہیں
جس پہ نظم لکھتے ہیں ہمیں اس سے محبت ہے
ہمارے سارے جذبوں کو
بس اس کی ہی ضرورت ہے
چلو اک کام کرتے ہیں
کہ ہم جو نظم لکھتے ہیں
تمہارے نام کرتے ہیں
تم ہی عنوان ہو اس کا
تمہاری بات ہے اس میں
تمہاری ذات ہے اس میں
تو پھر یہ فرض بھی ہوگا
ہمیں تم سے محبت ہے
ہمارے سارے جذبوں کو تمہاری ضرورت ہے

خاصی سرد رات تھی، وہ لحاف میں دبکی سائرہ بیگم کو جانے کون سے قصے سنا رہی تھی، جب تھکے ہارے عمر کاظمی نے آفس سے واپسی پر سیدھے سائرہ بیگم کے کمرے میں حاضری دی۔

"السلام علیکم......"

"وعلیکم السلام......آج دیر کر دی عمر......" اس کے سلام کا جواب دونوں نے مشترکہ دیا تھا، مگر سوال پوچھنے کی جسارت صرف سائرہ بیگم کر سکیں۔علیزہ اپنی گفتگو کو بریک لگائے بڑے

انہماک سے اس کے تھکے تھکے سے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"جی امی! کچھ فارنرز ڈیلی گیشن کے ساتھ ضروری میٹنگ تھی، آپ سنایئے کیا باتیں ہو رہی ہیں آپس میں؟" وہ ان کے قریب ہی صوفے پر تھکے تھکے سے انداز میں ڈھے گیا تھا۔

"کیا باتیں ہونی ہیں بیٹے......اپنے اپنے ماضی کے کچھ قصے ایک دوسرے کو سنا رہے تھے......جب سے علیزہ کو اللہ نے اس گھر میں بھیجا، مانو مجھے تو زندگی مل گئی ہے، میرا دل بہلاتی ہے......سر دباتی ہے، کھانا بناتی ہے، کیا کیا نہیں کرتی یہ بچی میرے لیے......" سائرہ بیگم کے لہجہ میں علیزہ کے لیے ستائش ہی ستائش تھی، عمر کے لبوں پر ہلکی سی محظوظ کن مسکراہٹ بکھر گئی۔

"مس علیزہ......واقعی کوئی نہ کوئی جادو ہے آپ کے ہاتھ میں......جو فقط چند دنوں میں امی کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا......"

"جی نہیں! آنٹی خود بہت اچھی ہیں، تو میرے چھوٹے موٹے کام بھی بڑے محسوس ہوتے ہیں انہیں، وگرنہ میں تو ایسا کچھ نہیں کرتی جس پر اتنا سراہا جائے......"

"میری ماں کسی کی بے جا تعریف نہیں کرتیں۔" وہ ہنسا تھا، علیزہ نے بھی مسکرا کر سر جھکا لیا۔عمر اگلے کچھ ہی لمحوں میں وہاں سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں آیا تو پھر اسے ایک نئے طوفان کا سامنا کرنا پڑا۔

❁

اس کے کمرے میں نائٹ بلب کی مدھم روشنی پھیلی تھی اور اس کی بیوی دروازے کے مخالف سمت منہ کیے بنا لحاف کے لیٹی ہوئی تھی۔دن بھر کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے اسے کھانا کھانے کا ٹائم نہیں مل سکا تھا۔تاہم اب بھوک ستا رہی تھی۔تب ہی اس نے سوئے سوئے منے کو پیار کرنے کے بعد اسے جگایا تھا۔

"ثانیہ......"

"کیا ہے......" وہ جاگ رہی تھی۔عمر اس کے کاٹ کھانے والے لہجہ پر پھر لب بھینچ کر رہ گیا۔

"مجھے بھوک لگی ہے......کھانا لے آؤ......"

"کیوں......اور سارے مر گئے ہیں کھانا لا کر دینے والے......دن بھر جو ٹھٹھے لگاتے رہتے ہیں، وہ کھانا نہیں دے سکتے؟......"

"شٹ اپ......" وہ پھر کھول اٹھا تھا۔جب وہ بولی۔

"کچن کا راستہ بھولا ہوا نہیں ہے آپ کو...... جا کر کھالیں...... ہزار بار کہہ چکی ہوں مجھے نیند سے مت جگایا کریں...... سر کا درد برداشت نہیں ہوتا مجھ سے......" پھر سے سونے کے لیے رُخ پھیرتی وہ بڑبڑاتی رہی تھی۔ جب عمر پھر ضبط سے کام لیتے ہوئے دروازہ لاک کر کے بھوکا ہی بیڈ پر گر پڑا۔ سارا جسم درد سے چور ہو رہا تھا۔ دن بھر کی تھکاوٹ کے باعث صبح دم اس کی آنکھ بھی خاصی لیٹ کھلی تھی۔ اس کا بیٹا بیڈ پر ہی اس کے برابر میں سویا ہوا تھا۔ وہ پھر اس کے ساتھ لگ گیا۔

اگلے آدھے گھنٹے میں وہ شاور لے کر اپنے بیٹے کو بانہوں میں لیے اپنے کمرے سے باہر نکلا تو ثانیہ کچن میں برتنوں کے ساتھ کھٹ پٹ کرتی ناشتے کی تیاری میں مصروف دکھائی دی۔ سائرہ بیگم صحن میں اپنے مخصوص بستر پر بیٹھی ننھی منی چڑیوں کے لیے چوری بنا رہی تھیں۔ علیزہ بھی دوپٹے کو اچھی طرح سر کے گرد لپیٹے گویا نماز اور قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہی ہوئی تھی۔ وہ منے کو لیے وہیں ان کے قریب آبیٹھا۔

"السلام علیکم امی...... صبح بخیر......"

"وعلیکم السلام...... آؤ بیٹھو بیٹا...... فرحان کی طبیعت کیسی ہے اب...... کل شام میں بخار ہو رہا تھا......"

"اچھا...... مگر مجھے تو نہیں بتایا ثانیہ نے...... اب تو ٹھیک ہے......" خود اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹے کے گال چیک کرتے ہوئے وہ مختصر لہجہ میں بولا۔ پھر توجہ علیزہ کی جانب مبذول کرتے ہوئے بولا۔

"تم کیسی ہو علیزہ؟ کوئی مسئلہ تو نہیں ہے ناں یہاں؟"

"نہیں...... الحمدللہ میں تو بہت خوش ہوں......" دونوں ہاتھ گود میں دھرے اس نے دھیمے سے مسکرا کر سر اٹھایا تھا۔ جب ثانیہ کچن سے نکلتے ہوئے تنک کر بولی۔

"خوش کیوں نہیں ہوگی...... سارا دن فارغ بیٹھی باتیں بگھارتی رہتی ہے...... مفت کا کھاتی ہے، اور کیا چاہیے؟"

"شٹ اپ......" عمر کو سخت برا لگا تھا مگر اس نے اثر نہیں لیا۔

"بیوی پر رعب چلتا ہے...... اسے چپ کرواتے رہا کرو......" نخوت سے ناک چڑھاتی وہ پھر کچن میں گھس گئی تھی۔ عمر نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"اس کی بکواس کو محسوس مت کرنا علیزہ...... کچھ لوگوں کو فضول بک بک کرنے کی

عادت ہوتی ہے......"

"تم ٹینشن مت لو...... میں ایسے رویوں کی عادی ہوں......" اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ مگر آنکھوں کے گوشوں میں نمی تھی۔ عمر نے پُرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے دل ہی دل میں کوئی فیصلہ کر لیا۔

❀

"امی! میں ثانیہ کو ڈائیورس دے رہا ہوں"، علیزہ صحن میں بیٹھی سائرہ بیگم کے سر میں تیل ڈال رہی تھی۔ جب آفس سے تھک ہار کر وہ ان کے قریب تقریباً رونے والے انداز میں بیٹھتے ہوئے اس نے اچانک کہا۔ سائرہ بیگم کو جھٹکا سا لگا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا...... کیا کہہ رہے ہو؟"

"جو بھی کہہ رہا ہوں...... خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں...... میرا اب اس عورت کے ساتھ نبھا ممکن نہیں......" وہ بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا۔ علیزہ نے سن سے انداز میں تیل والا پیالہ نیچے زمین پر رکھ دیا۔ عین اسی اثناء میں ثانیہ بچے کو گود میں اٹھائے کمرے سے نکلی اور عمر کے سر پر پہنچ کر پھنکارتے ہوئے بولی۔

"ہاں...... اب کیوں نبھا ہوگا تمہارا میرے ساتھ، یہ چڑیل جو آگئی ہے اس گھر میں...... اب اس پر رال ٹپکنے لگی ہے تمہاری...... میں کیا واقف نہیں تم مردوں کے گھٹیا پن سے...... جہاں نئی لڑکی دیکھی، وہیں بے ایمان ہو گئے......"

اس کی زبان آگ اگل رہی تھی۔

عمر برداشت کی آخری حد سے گزرتا تنک کر اٹھا اور رکھ کر ایک زبردست طمانچہ اس کے دائیں گال پر جڑ دیا۔

"بس...... بہت برداشت کر لیا میں نے تمہیں...... اب اور نہیں...... خبردار جو علیزہ کے لیے ایک لفظ بھی اپنی گندی زبان سے نکالا تم نے......"

ثانیہ اس کے طمانچے پر ششدر رہ گئی تھی۔ تاہم اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتی۔ علیزہ بول اٹھی۔

"کیا کر رہے ہو تم...... پاگل تو نہیں ہو گئے ہو...... تمہاری بیوی ہے یہ......"

"تم بیوی ہو اس کی...... میں نہیں...... پتہ نہیں کہاں کی فاحشہ عورت ہو جو تمہیں اور ٹھکانہ نہیں ملا تو میرے گھر کا سکون برباد کرنے چلی آئیں......"

وہ اب بھی پھنکار رہی تھی۔علیزہ کا دل دکھ کی شدت سے جیسے پھٹنے کو تیار ہو گیا۔عمر
اب پھر اسے مارنے کے لیے لپک رہا تھا مگر علیزہ سامنے آ گئی۔

''نہیں عمر...... پلیز......''

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

عمر کتنی ہی دیر بے بسی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا تھا۔سائرہ بیگم بالکل خاموش
تھیں جبکہ ثانیہ جانے کیا کیا بڑبڑاتے ہوئے پھر سے اپنے کمرے میں گھس گئی۔اس کا بیٹا اب
بلک بلک کر رو رہا تھا مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔

دو چار گھنٹے یونہی سناٹوں کی نذر ہو گئے تھے۔جب عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد
زبردستی سائرہ بیگم کو کھانا کھلانے کے بعد وہ لاؤنج میں بیٹھے عمر کے پاس چلی آ گئی۔

''عمر......''

وہ پلکیں موندے بیٹھا تھا۔علیزہ کے نرمی سے پکارنے پر اس نے فوراً اپنی آنکھیں
وا کی تھیں۔

''ہاں......؟''

''کھانا لاؤں تمہارے لیے؟''

''نہیں...... مجھے بھوک نہیں ہے......''

ہلکی ہلکی بڑھتی ہوئی شیو میں وہ اتنا اُداس لگ رہا تھا کہ علیزہ چاہنے کے باوجود بھی
اپنی نگاہیں اس کے اُداس چہرے سے ہٹا نہ سکی۔

''کیوں نہیں ہے بھوک؟''

''پتہ نہیں......''

وہ نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھ نہیں رہا تھا۔علیزہ کے لبوں پر پھیکی سی اُداس
مسکان بکھر گئی۔

''یہ مسئلے کا حل نہیں ہے عمر...... میں جانتی ہوں تم ثانیہ کو ڈائیورس کیوں دینا چاہتے
ہو......اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ اسے میرا اس گھر میں رہنا ایک فی صد بھی پسند نہیں...... میں آنٹی
کا خیال رکھتی ہوں......اُن کی کیئر کرتی ہوں تو اسے لگتا ہے جیسے میں اسے نیچا دکھا رہی ہوں اکثر
رہی ہوں......تم نہیں سمجھو گے ایک عورت کے لیے دوسری عورت کی رفاقت کسی عذاب سے کم
نہیں ہوئی عمر......'' وہ اس کے سامنے ہی صوفے پر ٹک گئی تھی۔عمر نے تھکے تھکے سے انداز میں

گہری سانس خارج کرتے ہوئے سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔

''وہ اس معاملے میں اپنی جگہ پر غلط نہیں ہے...... تمہیں سمجھداری سے کام لینا ہو
گا...... میں نے سوچ لیا ہے، میں کل صبح ہی کسی نہ کسی جاب کی تلاش میں گھر سے نکلوں گی......
پھر سب ٹھیک ہو جائے گا......ایک بار مجھے اچھی سی جاب مل گئی تو......''

''تم جاب نہیں کرو گی......''

وہ اچانک سیدھا ہوا تھا۔علیزہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''تم پاگل ہو اور کچھ نہیں...... میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تمہارا بسا بسایا گھر
اُجڑ جائے......تم ابھی نہیں سمجھو گے مگر اسی میں تمہاری بھلائی ہے......''

''بھاڑ میں جائے میری بھلائی......صرف اسی گھٹیا عورت کی گھٹیا سوچ کی وجہ سے تم
در در کے دھکے کھاؤ......میری غیرت اس بات کو گوارہ نہیں کرتی......''

وہ تپا تھا۔علیزہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیسے سمجھائے۔

''او کے......تو پھر میں واپس وہیں چلی جاتی ہوں جہاں سے آئی تھی......''

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا تھا۔عمر اس کے الفاظ پر جیسے تڑپ اٹھا۔

''تم یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گی......''

''تو ٹھیک ہے......پھر مجھے وہ کرنے دو، جو میں کرنا چاہتی ہوں...... پلیز عمر......
پلیز......'' اس بار اس نے کچھ ایسے ملتجی لہجے میں کہا تھا کہ عمر چاہنے کے باوجود جواب میں کچھ
نہ کہہ سکا۔

"مس علیزہ!......"

وہ تیزی سے اپنی کلاس کی جانب بڑھ رہی تھی جب مانوس صدا پر ٹھٹک کر رُک گئی۔اس سے کچھ ہی قدموں کے فاصلے پر علی رضا کھڑا خاصی پُرشوخ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"جی......"

آج نادیہ اس کے ساتھ نہیں آئی تھی، تبھی وہ گھبرا رہی تھی۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے......"

سینے پر بندھے ہاتھ چھوڑ کر اس نے پینٹ کی پاکٹس میں گھسا لیے تھے۔علیزہ کا دل روز روز سے دھڑکنے لگا۔

"فرمائیے......"

بظاہر خود کو مضبوط ظاہر کرتی وہ اندر سے گھبرا رہی تھی۔علی اس کا چہرہ دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دیا۔

"یوں کھڑے کھڑے تو کوئی بات نہیں ہو سکتی...... آپ مائنڈ نہ کریں تو کینٹین یا گارڈن میں چلتے ہیں......"

نہیں ابھی تو سر اعجاز کی کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے۔"

"چھوڑو یار کلاس کو...... پڑھ پڑھ کر دماغ ضائع کرنے کے ساتھ بھی تھوڑی انٹرٹینمنٹ بھی ہونی چاہیے......"

وہ اس پر اپنی شخصیت کا جادو متعارف کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔علیزہ کو لگا وہ انکار نہیں کر پائے گی۔

"نہیں...... وہ آج نادیہ نہیں ہے تو......"

"تو کیا...... وہ فضول سی لڑکی آپ کے ساتھ نہیں ہے تبھی تو آپ کو یوں مخاطب کرنے

کی ہمت ہوئی ہے...... ورنہ اتنے دنوں سے تو بس دل ہی مار رہا ہوں اپنا......"

کیسی عجیب سی عاجزی تھی اس کے لہجہ میں۔علیزہ پل میں ساری نصیحتیں بھول گئی۔

"پلیز علیزہ...... آئی پرامس میں زیادہ ٹائم نہیں لوں گا آپ کا...... پلیز......"

کتنے بلند سنگھاسن پر بٹھا رہا تھا وہ اسے۔علیزہ کو پگھلنا ہی پڑا۔

"اوکے...... چلیں......"

کسی کنیز کی مانند شہزادے سی آن رکھنے والے اس شخص کی ہمراہی میں چھوٹے موٹے قدم اٹھا کر چلتی وہ جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔بھلا اس شخص کو اس جیسی معمولی شکل وصورت کی حامل لڑکیوں کی کیا کمی تھی...... جبکہ نادیہ اس سے زیادہ حسین تھی۔ضرور اس میں ایسی کوئی بات تھی کہ جس نے علی رضا جیسے ساحر کو اس کی طرف توجہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔وہ اسے لے کر کینٹین میں آ گیا تھا۔جو اس وقت تقریباً خالی تھی۔

"بیٹھیے پلیز......"

اچھے اخلاق کی ساری قدریں اس پر ختم تھیں۔علیزہ قدرے کنفیوژ سی اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

"فرمائیے...... کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

"کہنا تو بہت کچھ ہے یار...... مگر وہ تمہاری دم چھلہ دوست موقع دے تب ناں......"

اس کے لہجے میں نادیہ کے لیے بیزاری تھی۔وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"میری دوست بہت اچھی ہے...... بے حد سمجھدار، لڑکوں کے ساتھ زیادہ گھلنا ملنا پسند نہیں کرتی اور نہ ہی مجھے اس بات کی اجازت دیتی ہے......اصل میں ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے بہت جذباتی ہیں......"

"اوکے...... آئی ایڈمائر اٹ......لیکن خود پر اپنا بھی تو کوئی حق ہونا چاہیے......اس روز کلاس میں صرف آپ کی وجہ سے میں اس کا لحاظ کر گیا تھا، وگرنہ ایسی بد دماغ لڑکیوں کا دماغ ٹھیک کرنا مجھے خوب اچھی طرح آتا ہے......"

گرما گرم چائے کے دو کپ ٹیبل پر دھرنے کے بعد اس نے جیسے نادیہ کے خلاف دل کی بھڑاس نکالی تھی۔علیزہ پھر شرمائے شرمائے سے انداز میں مسکرا دی۔

"تھینکس......"

"چھوڑو تھینکس کو...... تمہیں نہیں پتہ وہ لڑکی تم سے کتنی جلتی ہے...... کوئی تمہیں

سراہے، اسے چھوڑ کر تمہاری تعریف کرے، اس سے برداشت ہی نہیں ہوتا، اسی لیے اکیلے میں بات کرنا چاہتا تھا میں آپ سے...... پلیز علیزہ! خود کو دوسروں کے سہارے پر ضائع کرنا چھوڑ دیں...... اپنے اندر اعتماد پیدا کریں...... دیکھیں یہاں کالج میں کتنی لڑکیاں ہیں جو میرے آگے پیچھے پھرتی ہیں، صرف ایک نگاہ التفات کو ترستی ہیں...... مگر میں سب کو جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں، اسی لیے گڑیا جیسی دل جلی لڑکی نے میرے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کر کے انگور کھٹے ہیں والا کام شروع کر دیا ہے۔ دیکھیں علیزہ! میں یہ نہیں کہتا کہ میں کوئی فرشتہ صفت انسان ہوں۔ مجھ میں بہت سی خامیاں ہیں مگر...... اسی کالج میں میرے اپنے خاندان میں میری کئی کزنز میری بیسٹ گرل فرینڈز ہیں...... مگر یہ کوئی بری بات نہیں۔ آپ کی نیت اگر صاف ہے تو چاہے کتنی بھی لڑکیوں سے تعلق ہو، کوئی آپ کو گنہگار نہیں ٹھہرا سکتا...... خیر...... میرا مقصد آپ کے سامنے اپنے منہ میاں مٹھو بننا نہیں، صرف اس غلط فہمی کو دور کرنا ہے جو اس گڑیا نام کی فضول لڑکی نے صرف حسد میں، ایویں فضول آپ کے دل میں ڈال دی ہے اور شاید اسی کی وجہ سے آپ کی فرینڈ بھی مجھے اچھا نہیں سمجھتی......"

وہ اپنی ہی رو میں مگن بولے جا رہا تھا اور یہاں کمزور دل واعصاب کی مالک علیزہ چائے کو یکسر بھلائے دیوانہ وار یک ٹک اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ کوئی مرد اپنی ہی دھن میں بولتے ہوئے اتنا خوبصورت بھی لگ سکتا ہے، اسے آج سے پہلے گمان نہیں تھا۔

"کیا ہوا......؟"

اپنی بات کے اختتام پر اسے محویت سے اپنی جانب تکتا دیکھ کر اس نے اچانک پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"کک...... کچھ نہیں......"

وہ شاید لمحوں میں اس کے "آپ" سے "تم" پر آنے کی رفتار پر بھی غور نہیں کر پائی تھی۔ علی رضا دھیرے سے سر جھٹک کر مسکرا دیا۔

"تم بھی ناں...... پاگل ہو بچی...... اچھا بتاؤ پلیز...... مجھ سے دوستی کرو گی؟"

کیسا والہانہ انداز تھا اس کے پوچھنے کا علیزہ کا سر جھک گیا۔

"کیوں نہیں...... آپ جیسی شخصیت سے دوستی میرے لیے کسی آفر سے کم نہیں......"

علی رضا کے لیے وہ بہت آسان پتہ ثابت ہوئی تھی۔

❀

بہت دنوں کی کوشش کے بعد بالآخر اسے ایک چھوٹی سی کمپنی میں جاب مل گئی تھی، اور وہ اسی پر بے انتہا خوش تھی۔ کسی پر بوجھ بن کر رہنا اس کی اپنی خودداری کو گوارہ نہیں تھا مگر عمر کی بیوی کا مزاج اس پر بھی ٹھیک نہیں ہوا۔

اس روز بہت سردی تھی، اور عمر آفس سے خاصا لیٹ ہو گیا تھا۔ علیزہ جانتی تھی اسے جتنی بھی بھوک لگی ہوتی، وہ کھانا گھر پر ہی کھانا پسند کرتا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس وقت اس کی بیوی کھانا مانگنے پر اسے سو باتیں تو سنا سکتی ہے مگر کھانا دینے کے لیے اٹھ نہیں سکے گی لہٰذا جو ناول وہ پڑھ رہی تھی، وہ ناول سائیڈ پر رکھ کر وہ اپنے بستر سے اٹھ آئی۔ عمر ابھی واش روم میں تھا۔ وہ اس سے فارغ ہونے کا انتظار کرتی وہیں لاؤنج میں صوفے پر پاؤں سمیٹ کر بیٹھ گئی۔

عمر فریش ہو کر واش روم سے نکلا تو اسے صوفے پر لاؤنج میں بیٹھے دیکھ کر چونک گیا۔

"تم...... کیا سوئی نہیں ابھی تک؟"

"نہیں...... تمہارا انتظار کر رہی تھی......"

"کیوں...... میرا مطلب ہے سب ٹھیک تو ہے ناں؟"

تولیے سے چہرہ رگڑتا وہ اس کے قریب ہی صوفے پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔

"الحمدللہ...... کچھ بھی غلط کیوں ہوگا......؟" علیزہ کی مسکراہٹ بہت دلفریب تھی۔ وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر اسے دیکھتا رہا۔

"کاش...... ابو نے میرے ساتھ زیادتی نہ کی ہوتی......" اپنے خیال میں اس نے صرف سوچا تھا، مگر اس کی سوچ لفظوں میں ڈھل کر علیزہ کی سماعتوں تک پہنچ گئی تھی۔

"کون سی زیادتی؟"

اس نے پوچھا تو وہ چونکا۔

"کچھ نہیں...... آج کیا بنا ہے؟"

"آج دال چاول اور قورمہ بنایا ہے تمہاری مسز نے...... کھانا لاؤں؟"

"ہاں یار...... نیکی اور پوچھ پوچھ...... آج تو ایمان سے بھوک بھی ٹکا کر لگی ہے......"

علیزہ کی طرح وہ بھی جانتا تھا کہ ثانیہ اس وقت کسی صورت اسے کھانا دینے کے لیے نہیں اٹھے گی۔ لہٰذا اس کی مدد لینا پڑی۔ علیزہ اگلے چند منٹوں میں اس کے لیے کھانا نکال کر گرم کر لائی۔

"یہ لو گرما گرم کھانا...... ویسے ایک بات تو ماننی پڑے گی......"

"کیا؟"

''قورمے کے ڈونگے سے ڈھکن اٹھاتے ہوئے علیزہ کو دیکھا تو وہ بولی۔

''یہی کہ تمہاری بیوی کھانا بہت مزے کا بناتی ہے......''

''شکریہ......''

تھوڑا سا قورما اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے اس نے ہاٹ پاٹ سے روٹی نکال لی تھی۔

''پتہ ہے علیزہ، جب ثانیہ سے میری شادی نہیں ہوئی تھی تو یہ دیوانی تھی میری...... اس کے جو ابو تھے، وہ میرے ابو کے اتنے اچھے دوست تھے کہ کوئی انہیں دوست تو کہتا ہی نہیں تھا، سب بھائی مانتے تھے...... اسی وجہ سے میرا اکثر ان کے پاس ان کے آفس اور گھر میں کسی نہ کسی وجہ سے چکر لگتا رہتا تھا...... مجھے نہیں پتہ تھا کہ اس نے مجھے کب کہاں دیکھ کر پسند کیا مگر اتنا ضرور پتہ ہے کہ ہماری شادی میں صرف اور صرف اس کی ضد شامل تھی۔ اس نے انکل سے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر مجھ سے اس کی شادی نہ ہو سکی تو وہ سوسائیڈ کرلے گی...... چھوٹی بیٹی ہونے کی وجہ سے انکل اس کے بہت لاڈ اٹھاتے تھے...... اور ہر ضد و فرمائش ضرور پوری کرتے تھے، خواہ وہ کتنی ہی مشکل کیوں نہ ہوتی...... یوں سمجھ لو ہماری شادی بس اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی......''

وہ اسے بتا رہا تھا اور علیزہ ایک اچھی دوست ہونے کے تمام ریکارڈ توڑتی اسے دلچسپی سے بولتے ہوئے سن رہی تھی۔

''پتہ ہے علیزہ...... شادی کے ابتدائی دنوں میں اس ثانیہ کی بچی نے مجھے اتنا پیار دیا کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتیں...... ذرا بخار ہو جاتا تا یونہی طبیعت خراب ہو جاتی، یہ مجھے ایک لمحے کے لیے بھی اپنے قریب سے اٹھنے نہیں دیتی تھی۔ عجیب بچوں جیسا مزاج تھا اس کا...... جس چیز کی ضد کرلیتی پھر اس کو جب تک لا نہ دیتا، یہ سکون سے نہیں بیٹھتی تھی......'' وہ آج ثانیہ نامہ سنانے کے موڈ میں تھا۔ علیزہ خود پر ضبط کیے بیٹھی رہی۔

''یہی نہیں کہ ثانیہ پیار کرتی تھی...... میں نہیں کرتا تھا میں نے بھی اسے خوش رکھنے اور اس کے پیار سے بڑھ کر پیار کرنے کی ہمیشہ کوشش کی اسے لیکن پتہ نہیں ماں بننے کے بعد اس کے دماغ کو کیا ہوگیا ہے...... جہاں تک میرا خیال ہے یہ پاکستان آنے پر راضی نہیں تھی اور اس بات پر اس کا مجھ سے اور امی سے بہت شدید قسم کا جھگڑا بھی ہوا تھا، مگر پاکستان تو مجھے آنا ہی تھا۔ کوئی ملک سے باہر کہیں بھی جا کر رہ لے، اس کی روٹس اسے ساری زندگی بیگانوں کی سرزمین پر رلنے نہیں دیتیں......''

''ہاں...... صحیح کہا تم نے...... چائے لاؤں تمہارے لیے؟''

وہ کھانا کھا چکا تھا، تبھی اس نے پوچھا تو عمر نے سہولت سے انکار کر دیا۔

''نہیں یار! ابھی ایک دو سگریٹ پیوں گا...... پھر تھوڑی دیر کمپیوٹر کے ساتھ ٹائم گزاروں گا، پھر سوؤں گا...... تمہارا کھانا کھلانے کا شکریہ......''

کہتے ہی وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا تو علیزہ زبردستی مسکرا کر کھانے کے برتن سمیٹنے لگی۔ اس نے جو بات عمر سے کرنی تھی، وہ دل میں ہی رہ گئی تھی۔

عمر اسے سونے کی تاکید کر کے اپنے کمرے میں آیا تو ثانیہ کو دیکھ کر ایک دم سے سردی کا احساس بڑھ گیا۔ جانے کیوں آج اس کے حوالے سے وہ علیزہ سے اس کی اتنی ساری باتیں شیئر کر گیا تھا۔ وہ سونے کے لیے اس کے پہلو میں لیٹا تو جیسے دل میں اس کے لیے جمع ساری کدورتیں کہیں منہ چھپا کر بھاگ گئیں۔

''ثانیہ......''

اس کی جانب ذرا سا جھک کر اس نے سرگوشی کی تھی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی، تب اس نے ہاتھ بڑھا کر زبردستی اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

''ثانیہ......'' اب کے اس نے اپنا چہرہ اس کے کھلے بالوں میں گھسا لیا تھا۔ پورا جسم جیسے لمحوں میں گرم ہوا تھا۔ وہ کسمسا کر بمشکل آنکھیں کھول پائی۔

''کیا ہے؟''

''سردی لگ رہی ہے یار...... تم تو مزے سے سو رہی ہو اور یہاں نیند میرے قابو میں نہیں آرہی۔'' جذبات بے قابو ہوئے تھے تو لہجہ بھی بدل گیا تھا، مگر اس پر اثر نہیں ہوا۔

''تو میں کیا کروں...... جو کھانا کھلا سکتی ہے، وہ ساتھ سلا بھی سکتی ہے......''

عمر کو اس سے ایسے جواب کی ہی توقع تھی، مگر اس وقت وہ اس سے جھگڑا کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ تبھی اس کی اتنی بڑی بات کو یکسر اگنور کرتے ہوئے بولا۔

''نہیں سُلا سکتی...... ساتھ سلانے کا اعزاز تو صرف تمہیں ہی حاصل ہے...... پلیز یار...... کبھی تو پیار سے بھی بات کرلیا کرو......''

''مجھے نہیں آتیں پیار سے باتیں کرنا...... جو آج کل اعصاب پر سوار ہے اسی سے کرو جا کر مجھے نیند آرہی ہے......''

وہ نیند میں بھی غبار سے بھری رہتی تھی۔ عمر پھر اس کی تلخی کو نظر انداز کر گیا۔

''سونے نہیں دوں گا تمہیں آج...... کرلو جو کرنا ہے......''

کہنے کے ساتھ ہی اس نے ثانیہ کے وجود کو اپنی گرفت میں جکڑ لیا تو جیسے وہ بھی پسپا ہونے لگی۔

"کیا بدتمیزی ہے عمر...... چھوڑو مجھے......"

"اوں ہوں...... آج کی رات نہیں......"

اس کے دماغ پر ضد سوار ہو گئی تھی اور ادھر ثانیہ کو بالآخر اس کی خواہش کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔

❁

علیزہ...... تم میری غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر اس لوفر کے ساتھ کینٹین میں کیوں گئیں۔ منع کیا تھا میں نے تمہیں کہ اس کے منہ نہیں لگنا...... پھر کیوں لفٹ کروائی اسے تم نے...... بولو......" اگلے روز نادیہ اس سے پہلے اپنے بھائی کے ساتھ کالج پہنچ گئی تھی اور اب کلاس شروع ہونے سے پہلے اسے ایک سائیڈ پر لے جا کر ڈانٹ رہی تھی۔

"کتنی بار ٹھوکر کھاؤ گی تم...... اور کتنی بار سنبھلنے کا ارادہ کرو گی...... آخر سمجھ میں کیوں نہیں آتا تمہیں کہ ان مردوں کی نسل میں وفا نہیں ہے...... ساری عمر عورت کا خون چوس چوس کر پیتے ہیں...... تب بھی اس پر نہ رحم آتا ہے نہ اس سے محبت ہوتی ہے...... کتنی بار یہ بات سمجھانی پڑے گی تمہیں؟" جانے اسے آتے ہی کس نے رپورٹ پیش کر دی تھی۔ وہ اس وقت شدید غصے میں لگ رہی تھی۔ تبھی اسے بولنا پڑا۔

"ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں نادیہ! علی رضا ویسا بالکل نہیں ہے جیسا اس گڑیا کی بچی نے بتایا تھا۔ میں جان گئی ہوں اسے...... وہ بہت اچھا لڑکا ہے...... بہت زیادہ اچھا......" اس پر تو جیسے کل سے خمار چھایا تھا۔ نادیہ نے اس کے الفاظ پر تنفر سے سر جھٹکا۔

"ہونہہ...... صرف ایک دن کی ملاقات میں جان لیا تم نے کہ وہ بہت اچھا ہے......"

"کسی کو جاننے کے لیے ایک لمحہ بہت ہوتا ہے...... ایک دن کی تو بات ہی کیا ہے......"

وہ ہواؤں میں تھی اور اب زمین پر قدم دھرنا اسے دشوار محسوس ہو رہا تھا۔

"تم ابھی عقل کے اس مرتبے پر فائز نہیں ہوئی ہو کہ کسی کو صرف ایک لمحے میں جان سکو...... معاف کرنا بی بی، یہ مرد بڑے گھاگ بھیڑیے ہوتے ہیں، پہلے پیار سے رام کرتے ہیں، پھر اپنا کام کرتے ہیں اور اس کے بعد کام تمام کرتے ہیں......" اس کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

علیزہ نے بھی لحاظ کا چولا اتار پھینکا۔

"بس کرو نادیہ پلیز...... بہت لیکچر جھاڑ لیے تم نے اور بہت برداشت سے کام لے لیا میں نے تم کیا سمجھتی ہو میں کوئی چھوٹی بچی ہوں...... جسے اپنے بُرے بھلے کا نہیں پتہ...... عقل صرف تمہارے پاس ہی نہیں ہے سمجھی تم...... سب پتہ ہے مجھے تم جلی ہو مجھ سے علی نے تمہاری بجائے مجھے کیوں پسند کر لیا...... یہ چیز، یہ حسد برداشت نہیں ہو رہا ہے تم سے......"

نادیہ جو سوچ بھی نہ سکتی تھی وہ لفظ اس نے اپنے ہونٹوں سے ادا کیے تھے۔ وہ منہ کھولے حیرانگی سے اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"کیا کہا تم نے...... میں تم سے جلوں گی...... اس سٹوپڈ گھٹیا انسان کی وجہ سے تم سے جلوں گی...... لعنت ہے تمہاری سوچ پر......"

تمہاری سوچ پر......"

اسے واقعی دکھ ہوا تھا۔ علیزہ رُخ پھیر کر رہ گئی۔

"اس جیسے سو آوارہ کتے آگے پیچھے پھیرتے ہیں میرے...... مگر میں جوتے کی نوک پر نہیں رکھتی، وہ ہے کیا چیز...... جو اس کی وجہ سے تم سے جلوں گی...... سوچی بھی کیسے اتنی گھٹیا بات تم نے"

وہ دکھ کی شدت سے کٹتے ہوئے پوچھ رہی تھی مگر علیزہ اسے کیا بتاتی کہ اس نے ایسی گھٹیا بات کیسے سوچی۔ لہٰذا وہ چپ رہی۔ اسی اثناء میں گڑیا ڈھونڈتے ہوئے ادھر ہی چلی آئی۔

"لو...... تم دونوں یہاں چھپی بیٹھی ہو اور میں پتہ نہیں کہاں کہاں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں تمہیں۔" نادیہ اور علیزہ کے چہرے پر غور کیے بغیر وہ بولی تھی پھر اگلے ہی پل نادیہ کی طرف دیکھ کر چونک اٹھی۔

"کیا ہوا...... تم دونوں کے بیچ کوئی جھگڑا ہوا ہے کیا؟"

"نہیں...... تم چلو کلاس میں...... ہم ابھی آتے ہیں......"

شدید غصے میں بھی اسے خود پر کنٹرول رکھنا آتا تھا۔ علیزہ قدرے شرمندہ سی ہو گئی۔

پھر گڑیا وہاں سے گئی تو اس نے سرد لہجے میں علیزہ سے کہا۔

"میں نے آج تک تمہارے معاملات میں جو بھی رُوک ٹوک کی، اس کا مقصد تم سے حسد کرنا کبھی نہیں تھا...... صرف ایک اچھی دوست ہونے کے ناطے جو میں نے اپنا فرض سمجھا، وہ ادا کیا...... مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم میرے اس خلوص کو اتنے غلط معنوں میں بھی لے سکتی ہو...... آج کے بعد میں کوشش کروں گی کہ تمہارے کسی ذاتی معاملے میں دخل نہ دوں......"

ترشی سے کہنے کے ساتھ وہ بنا اس کی کوئی بات سنے واپس پلٹ گئی، تو علیزہ الجھے دماغ کے ساتھ نڈھال سی وہیں سیڑھیوں کے قریب ہری بھری گھاس پر بیٹھ گئی۔

"پتہ نہیں کل جو علی نے کہا...... وہ صحیح ہے یا آج جو نادیہ نے کہا وہ درست ہے......"
اُلجھ کر اپنے آپ سے سوال کرتے ہوئے اس نے یونہی ایک لمحے کو سر اٹھایا تو سامنے علی کو سینے پر ہاتھ باندھے محویت سے اپنی جانب تکتے پا کر چونک اٹھی۔

"آپ......؟"

"جی جناب ...... ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گزر رہا تھا تو تمہاری اس مینٹل دوست کو گرجتے برستے دیکھ کر رک گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا تم جیسی پیاری سی لڑکی نے اس بد دماغ سی لڑکی کو کیسے اور کیوں اپنی دوست بنا لیا......"

"وہ بد دماغ نہیں ہے......" اس کے رسان سے کہنے پر علیزہ نے فوراً سے بیشتر وضاحت پیش کی تھی۔ علی سر جھٹک کر مسکراتے ہوئے اس کے مقابل گھاس پر بیٹھ گیا۔

"کتنی اچھی ہو تم...... وہ پتہ نہیں تمہیں کیا کیا سنا گئی اور تم...... تم پھر بھی مجھے اسے بُرا کہنے کی اجازت نہیں دے رہی ہو...... یہ ہوتی ہے انسان کی عظمت، سچ کہتا ہوں علیزہ...... تمہاری یہ چھوٹی چھوٹی باتیں مجھے تم سے پیار کرنے پر مجبور کر دیں گی......"

اس کا لہجہ پھر چینج ہو رہا تھا۔ علیزہ پل بھر میں ساری باتیں بھول کر پھر سے اپنی دھڑکنوں کا شور سننے لگی۔

❁

یہ میرے خواب خریدے ہوئے خود ساختہ خواب
جن سے شیون کی شب و روز صدا آتی ہے
یہ ہی شیون کی صدا
جب سر شام سکوں زار سے ٹکراتی ہے
تو پھر بڑھتی ہی چلی جاتی ہے
یہ میرے خواب یہ روندی ہوئی راہیں میری
جن پہ ناکام تمناؤں کا بیتاب ہجوم
لحہ لحہ کسی جانب کو نگراں رہتا ہے
کون جانے کہ یہ سمت رواں رہتا ہے

یہ میرے خواب خریدے ہوئے خود ساختہ خواب
انکی تعبیر بہت دور نظر آتی ہے

اگلی صبح علیزہ جب بیدار ہوئی تو عمر کا موڈ بے حد خوشگوار تھا، اور یہی نہیں، وہ کچن میں ثانیہ کے ساتھ گھسا، بھرپور خوش مزاجی سے اس کے ساتھ شاید کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کر رہا تھا۔ وہ کچن کی طرف جانے کا ارادہ موقوف کرتی اندر کمرے میں سائرہ بیگم کے پاس چلی آئی جو ابھی قرآن پاک سے فارغ ہو کر تسبیح کر رہی تھیں۔

"السلام علیکم......"

"وعلیکم السلام...... میں ابھی تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی تھی......" سائرہ بیگم اسے دیکھ کر جیسے کھل اٹھی تھیں۔ وہ مسکرا کر ان کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"سوری، آج اٹھنے میں تاخیر ہوگئی، فجر کی نماز بھی نہیں پڑھ سکی، آپ کے پاس ہوتی تو چلو نماز تو قضا نہ ہوتی......" اس کے معصوم سے شکوے پر سائرہ بیگم پھر مسکرائی تھیں۔

"ہاں، یہ تو ہے، لیکن تیرے بھلے کو ہی علیحدہ کمرا سیٹ کروایا تھا تیرا...... کیونکہ مجھے نیند میں بولنے اور خراٹے لینے کی عادت ہے، تو دن بھر کی تھکی ہوتی ہے...... ایسے میں، میں تیری نیند خراب کر دوں، مجھے اچھا نہیں لگتا......" ان کے لہجے میں محبت تھی۔ علیزہ کی آنکھیں یکلخت آنسوؤں سے بھر آئیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور گھٹنوں کے بل نیچے زمین پر بیٹھ کر سائرہ بیگم کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ مائیں کتنی عظیم ہوتی ہیں ناں آنٹی...... پھر ہم لڑکیاں ان سٹوپڈ بھنوروں کے پیچھے لگ کر ان کی قدر کیوں نہیں کرتیں...... ان کو ہرٹ کیوں کر دیتی ہیں؟" اس کے آنسوؤں میں کیسی عجیب سی تڑپ تھی۔ سائرہ بیگم دکھ سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"لڑکیاں جذباتی ہوتی ہیں بیٹے، عقل کی بجائے جذبات سے کام لیتی ہیں، اور لڑکے لڑکیوں کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنا الو سیدھا کرتے ہیں......"

"لڑکیوں کو عقل کیوں نہیں آتی آنٹی...... ہزاروں دکھ اٹھا کر بھی کیا ضروری ہے کہ ہر بار وہ محبت کے ہاتھوں خوار ہوتی رہیں؟" جانے وہ آج دل کا کون سا غبار باہر نکال رہی تھی، سائرہ بیگم نے ابھی کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ عمر اپنے بیٹے کو گود میں اٹھائے وہاں چلا آیا۔

"السلام علیکم...... صبح بخیر......" ابھی اس کی نگاہ علیزہ پر نہیں پڑی تھی لہٰذا اس نے جلدی سے سر جھکا کر اپنے آنسو پونچھ لیے۔

"وعلیکم السلام...... صبح ہوگئی تمہاری؟" سائرہ بیگم نے اس کے لیے بھی اپنے پہلو میں

جگہ بنائی تھی۔ جہاں وہ اپنے بیٹے کو گود میں لے کر بیٹھ گیا۔

"جی امی...... یہ علیزہ کو کیا ہوا...... آج تو قدموں میں بیٹھی ہے آپ کے۔" وہ شاید ذرا سا مسکرا دیا۔ علیزہ سرسری سی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے خود بھی مسکرا کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا، یونہی ماں کی عظمت پر آنکھ بھر آئی تھی......"

"کیا بات ہے...... اچھا امی، آج ہم دوپہر کا کھانا گھر سے باہر کھائیں گے......"

"کیوں......؟" سائرہ بیگم کے ساتھ ساتھ علیزہ نے بھی اسے چونک کر دیکھا تھا۔

"کچھ نہیں...... ثانیہ کا دل چاہ رہا تھا اور ویسے بھی کتنے دن ہو گئے ہیں ہم نے باہر سے کھانا نہیں کھایا......" فقط ایک ہی رات میں اس کا لہجہ کتنا بدل گیا تھا۔ علیزہ کے لبوں پر آپ ہی آپ بڑی محظوظ کن سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ ابھی پرسوں یہ شخص سائرہ بیگم سے اپنی بیوی کو ڈائیورس دینے کی بات کر رہا تھا۔ عاجز تھا اس کے وجود اور بدتمیزیوں سے، اور اب...... اس کی فقط ایک رات کی قربت نے نئے سرے سے کتنے پھول کھلا دیے تھے اس کے اندر......

"ٹھیک ہے، ثانیہ اور علیزہ کو لے جانا، مجھ میں اب وہ ہمت نہیں رہی بیٹے کہ تم لوگوں کا ساتھ دوں......" سائرہ بیگم نے اپنے گھٹنوں کے درد کی مجبوری بیان کی تھی۔ عمر اثبات میں سر ہلا کر پھر کمرے سے نکل گیا۔

❁

وہ شیشم کے گھنے پیڑ سے ٹیک لگائے کھڑا قدرے اُداس دکھائی دے رہا تھا، جب حماد نے ایک دم سے اسکے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"کیا بات ہے شہزادے، کل سے خاصے ڈیپریس دکھائی دے رہے ہو؟"

"تمہیں کیسے پتہ میں ڈیپریس ہوں؟"

جواب میں علی رضا نے خاصی سرد سانس بھری، تبھی وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کل گھر فون کیا تھا، تمہاری آنٹی بتا رہی تھیں کہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے، سو رہا...... آج ناسازی طبیعت کے باوجود کالج میں حاضری، اوپر سے یاروں سے الگ، چپ چاپ، اُداس، کوئی بات ہے یار...... پلیز بتا ناں...... اب کس لڑکی نے ہاتھ دکھا دیا؟" وہ ٹلنے والوں میں سے نہیں، پیچھے پڑ جانے والوں میں سے تھا، علی اس کی بات پر بے ساختہ ہنس دیا۔

"کسی لڑکی کی اتنی مجال ہے کہ تیرے یار کو ہاتھ دکھا جائے...... پاؤں کی جوتی سے بھی حقیر چیز ہیں یہ لڑکیاں اس لیے ان ہوس اور جذبات کی ماری لڑکیوں کو میں ان کی اوقات پر ہی

رکھتا ہوں......"

"پھر......"

"پھر کچھ نہیں یار...... میں انگلینڈ جانا چاہ رہا ہوں، شیراز وغیرہ کے ساتھ...... مگر پاپا اجازت نہیں دے رہے، خیر اجازت کوئی پرابلم بھی نہیں ہے کیونکہ تمہیں تو پتہ ہے مجھے اپنے باپ کی اجازت کی کبھی ضرورت بھی نہیں ہوئی، اصل مسئلہ پاسپورٹ ہے...... زیادہ نہیں تو لاکھ دو لاکھ تو چاہئیں نا...... میرے کنجوس باپ نے الگ سے اکاؤنٹ کبھی نہیں کھلوایا میرا...... وگرنہ بندہ ایسے کسی موقع پر اسے ہی خالی کر لیتا ہے، فی الحال کوئی ایسی مالدار مرغی بھی ہیں پھنسی جسے بیوقوف بنا کر اپنا الو سیدھا کر لوں......" وہ نفس اور دولت کا پجاری تھا۔ حماد اس کے دکھ پر شرارت سے مسکرا کر رہ گیا۔

"اُف! کتنی دُکھ بھری کہانی ہے میرے یار کی۔ اس ماہ کے کسی میگزین میں لکھواتا ہوں شاید کوئی اچھی مالدار لڑکی پڑھ کر تجھے دوستی کی آفر کر دے"

"جہنم میں جھونک یار...... فی الحال تو کوئی بھی متاثر نہیں کر رہی......" علی رضا جیسے بیزار ہوا تھا۔

"اچھا...... اور وہ...... کیا نام ہے اس کا...... ہاں علیزہ تعویزہ...... اس کا کیا بن رہا...... آج کل تو جب دیکھو اس کو بغل میں دبائے پھرتے ہو......"

"فضول، بکواس لڑکی ہے، مڈل کلاس گھرانوں کی جذباتی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں...... محبتوں کو ترستی ہوئی جذبات کی ماری ہوئی...... ذرا سا دانہ پھینکو، ایک لمحے میں جال میں آ پھنستی ہیں...... جتنا زیادہ عزت کا شور مچاتی ہیں، اتنا ہی بوری ثابت ہوتی ہیں......"

"بڑا تجربہ ہے تمہیں......؟"

وہ پھر ہنسا تھا، علی نے آہستہ سے رُخ پھیر لیا۔

"سنو! یہ جو لڑکی ہے نادیہ...... اس کی علیزہ کے ساتھ اور کس سے دوستی ہے کالج میں؟" رُخ پھیر کر اگلے ہی پل اس نے حماد سے پوچھا تھا۔

"کیوں خیریت؟"

"ہاں یار! تم سے تو کچھ پوچھ لو تو آگے سے ہمیں سوال کرنے لگتے ہو......" وہ چڑا تھا، حماد پھر ہنس دیا۔

"اچھی لڑکی ہے یہ نادیہ...... میرا نہیں خیال کہ علیزہ کے سوا کالج میں کسی اور لڑکی کے

ساتھ اس کی دوستی ہو، لڑکوں کی تو بات ہی اور ہے......" وہ بتا رہا تھا اور علی پر شوخ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے کہیں اور کھویا ہوا تھا۔

❁

سردی دھیرے دھیرے بڑھ رہی تھی۔

آج بہت دنوں کے بعد جانے کیوں وہ ایک مرتبہ پھر خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی تھی، ایسا کہیں تھا کہ اس کا ناطہ دنیا سے ٹوٹ گیا تھا یا جو لوگ پہلے اس کی ذات اور زندگی سے وابستہ تھے، وہ اب نہیں رہے تھے مگر...... کبھی کبھی...... جانے کیوں اندر کہیں خالی پن کا احساس بڑھ جاتا تھا۔

شام ڈھل رہی تھی، اور عمر ابھی آفس سے نہیں آیا تھا، لہٰذا وہ سائرہ بیگم کو بتا کر پیدل واک کرنے کے لیے باہر روڈ پر نکل آئی تھی۔ آسمان پر بادل ضرور چھائے تھے مگر بارش کا امکان نہیں تھا، سرد ہواؤں کے شریر تھپیڑوں نے پورے بدن میں کپکپی سی دوڑا دی تھی۔ وہ خود کو اپنی بلیک شال سے اچھی طرح ڈھانپتی آگے ہی آگے بڑھتی گئی۔ سامنے نہ کوئی منزل نہ راہ گزر، مگر پھر بھی اپنے ہی خیالوں میں مگن وہ بس چلی جا رہی تھی کہ اچانک اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔

"رُحاب......"

نظر سے کچھ ہی فاصلے پر ایک لڑکی کو سنگی بینچ پر بیٹھے دیکھ کر اس کے لبوں نے جنبش کی اور اس کے قدم آپ ہی آپ اس لڑکی کی طرف اُٹھ گئے، جو اسی کی طرح شاید ساری دنیا سے بے نیاز ہوئی اپنے گھٹنوں پر سر ٹکائے بیٹھی کسی سوچ میں گم دکھائی دے رہی تھی۔

"رُحاب......" اس کے قریب پہنچ کر بہت دھیمے لہجے میں اس نے پکارا تھا، جب لڑکی نے اس کی صدا پر سر اوپر اٹھایا اور پھر نگاہ ابھی پر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں بھی روشنی سی بھر گئی۔

"ارے علیزہ...... تم کہاں......؟"

جتنی خوشی اسے رُحاب کو دیکھ کر ہوئی تھی، اس سے زیادہ شاید رُحاب کو اسے دیکھ کر ہوئی تھی۔ تبھی پھرتی سے اُٹھ کر اس نے علیزہ کو خود سے لپٹا لیا۔

"ہاں یار...... ابھی چھ ماہ پہلے واپسی ہوئی ہے، تو سنا...... تو پنڈی میں کیسے؟" وہ پہلے سے بہت کمزور ہو گئی تھی مگر لہجہ اب بھی فریش ہی تھا۔ علیزہ اس کی محبت پر مسکرا اٹھی۔

"کیا شادی کرلی؟"

"نہیں......" رُحاب کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے بے ساختہ نگاہ چرائی تھی۔

"پھر پنڈی میں کیسے......؟" کوئی جاب واب تو شروع نہیں کر دی۔

"بس یہی سمجھ لو...... جاب کے لیے ہی آئی ہوں......"

"چلو پھر تو اچھی بات ہے...... آؤ اپنی امی سے ملواتی ہوں تمہیں......" کہنے کے ساتھ ہی وہ علیزہ کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے بنگلے کی طرف لے گئی جس کے قریب ہی سنگی بینچ پر بیٹھی تھی، تو علیزہ بھی چپ چاپ اس کے ساتھ چل دی۔ جن دنوں وہ کالج سے فارغ ہو رہی تھی۔ انہی دنوں ایک تقریب میں اس کی رُحاب سے پہلی ملاقات ہوئی تھی، جو وقت کے ساتھ ساتھ کب اچھی دوستی میں بدل گئی، اسے پتہ ہی نہ چل سکا، پھر اچانک اس کی زندگی طوفانوں کی نذر ہو گئی تو جیسے وہ ساری دنیا سے ہی کٹ کر رہ گئی۔ رُحاب کا گھر باہر سے جتنا خوبصورت دکھائی دے رہا تھا، اندر سے اس سے بھی زیادہ شاندار تھا۔

"امی......"

اس کا ہاتھ تھام کر وہ سیدھی اسے اپنی مما کے بیڈروم میں لے آئی تھی۔ اس کی مما عائشہ بیگم فون پر کسی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں۔ اس کی صدا پر انہوں نے گفتگو کا سلسلہ سمیٹا اور دوسری طرف موجود شخصیت کو خدا حافظ کہہ کر فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"جی بیٹے......"

"امی...... یہ علیزہ ہے، میری بہت اچھی دوست، بتایا تھا ناں ایک بار میں نے آپ کو اس کے بارے میں......؟" اس لمحے وہ بہت ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔

علیزہ اس کی مما کے اپنی طرف متوجہ ہونے پر قطعی نارمل انداز میں مسکرا کر رہ گئی۔

"ہاں! ماشاء اللہ بہت پیاری بچی ہے......" رُحاب کی طرح ان کے لہجے میں بھی محبت تھی۔ علیزہ کے اندر رُحاب کی مما کی تعریف پر آپ جیسے کوئی ہنسا تھا۔ عائشہ بیگم اب اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد اس کے لیے اپنے پہلو میں جگہ بنا رہی تھیں۔

❁

اس رات وہ بہت دیر تک علی سے فون پر باتیں کرتی رہی تھی اور اسے اپنے بارے میں بہت کچھ بتاتی بھی گئی تھی، یہاں تک کہ ریڈیو سے اپنے عشق والی بات بھی اس نے اس سے نہیں چھپائی تھی، علی اس کی معصوم سی باتوں پر بہت دیر تک ہنستا رہا۔

"اچھا سنو! وہ جو تمہاری تک چڑھی دوست ہے، کیا نام ہے اس کا...... نادیہ...... ہاں، اس نے پھر دوبارہ تو کچھ الٹا سیدھا نہیں کہا تمہیں؟"

تقریباً آدھے گھنٹے کی گفتگو کے بعد اس نے پوچھا تھا، جب وہ بولی۔

"نہیں......اس روز کے بعد وہ میرے ذاتی معاملات میں کم ہی دلچسپی لیتی ہے......"

"اس کے ساتھ کیا پرابلم ہے، جب دیکھو مزاج ساتویں آسمان پر ہی رہتا ہے......" علی نے کہا تھا اور وہ ہنس پڑی تھی۔

"تم اتنا کیوں خلاف ہو اس کے؟"

"تمہاری انسلٹ کی تھی اس نے، اس لیے......"

بہت عام سے قطعی جھوٹے لہجے میں وہ کہہ گیا تھا، ادھر علیزہ جیسے نہال ہو گئی۔

"پاگل ہو تم تو مجھ جیسی عام سی شکل وصورت کی مالک لڑکی کو اتنی اہمیت مت دیا کرو کہ خوامخواہ شرمندگی محسوس ہونے لگے......"

"تم صورت کو اہمیت دیتی ہو؟"

"نہیں......مگر......"

"میں صورت کو اہمیت نہیں دیتا......" اس کی بات کاٹ کر فوراً وہ بولا تھا۔

"تم تو اچھے ہو، بہت گریٹ ہو ورنہ تمہاری جگہ کوئی اور لڑکا اتنا امیر، اتنا خوبصورت اور اتنا ہر دلعزیز ہوتا تو پتہ نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتا......" وہ بہت محبت سے بولی تھی، اور پھر وہ ہنسا تھا۔

"اچھا......اس کا مطلب ہے تھوڑے بہت نخرے مجھے کرنے چاہئیں......"

"جی نہیں......" اس کے فوراً کہنے کی دور تھی کہ وہ پھر کھلکھلا اٹھا۔

"کیا چیز ہو یار تم......قسم سے میرا دل چاہتا ہے کہ ہر وقت تمہیں دیکھتا رہوں اور رات بھر یونہی فون پر باتیں کرتا رہوں......کیا تمہارا دل نہیں چاہتا؟"

"چاہتا تو ہے مگر میں دل کو زیادہ سر پر نہیں چڑھاتی......" قدرے اترا کر وہ بولی تھی جب وہ ہنسا۔

"اللہ سے ڈرو، اس دل نے بڑے بڑے بادشاہوں کے تخت الٹا دیے......"

"الٹا دیے ہوں گے، ہم کون سے بادشاہ ہیں......اپنے پاس تو چند سہانے خواب ہیں تھوڑی سی سکون کی نیند ہے اور بس......یہی کل اثاثہ ہے، لٹ بھی گیا تو کیا......"

"بڑی دور اندیش لڑکی ہو......"

آج وہ کتنا فریش تھا، بات بے بات ہنس رہا تھا۔

"بس......کبھی غرور نہیں کیا......"

سب گھر والے باہر صحن میں سو رہے تھے اور پڑھائی کے بہانے اندر کمرے میں بیٹھی اس سے باتیں کرتے ہوئے پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔

"اچھا سنو! اگلے ہفتے میرا برتھ ڈے ہے، تم کیا گفٹ دوگی مجھے......؟" اچانک ہی اس نے گفتگو کا ٹریک بدلا تھا، جب وہ بولی۔

"جو تم کہو......"

"نہیں! گفٹ مانگ کر تھوڑی لیا جاتا ہے تم اپنی پسند سے دینا ناں......"

"ٹھیک ہے، اپنی پسند سے دے دوں گی، مگر کچھ تمہاری پسند کا تو پتہ چلے......تمہیں کیسی چیزیں پسند ہیں......" وہ تھوڑی سی سنجیدہ ہوئی کیونکہ اس سے پہلے نہ کسی سے ایسا تعلق استوار ہوا تھا، نہ اس نے کسی کو یوں تحفے تحائف دیے تھے۔

"آں......میری پسند پر جاؤ گی تو نقصان میں رہو گی......"

"کیوں؟" اس کے کچھ سوچ کر بولنے پر وہ تھوڑی سی متعجب ہوئی تھی جب وہ بولا۔

"بس......ایسی ویسی چیزیں پسند نہیں آتیں مجھے......"

"وہ تو مجھے پتہ ہے، پھر بھی بتاؤ ناں......تمہیں کیا پسند ہے؟"

"تم......" اس کے اصرار پر بہت اچانک لہجہ بدلتے ہوئے اس نے کہا تھا، جواب میں علیزہ کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

"میں گفٹ میں ملنے والی چیز تو نہیں ہوں......"

"تو تمہیں چیز کہہ کون رہا ہے؟"

اس کے لہجے میں شرارت تھی، علیزہ خاموش ہو گئی۔

"کیا ہوا......مائنڈ کر گئیں کیا؟"

"نہیں......اس میں مائنڈ کرنے والی تو کوئی بات ہی نہیں......"

"اس کا مطلب ہے اگر میں اپنے برتھ ڈے پر تمہیں مانگوں تو......دوگی اپنا آپ مجھے......؟"

"میں کبھی نہیں......"

وہ اس کے تقاضے پر خوش فہمی کا شکار ہونے کے باوجود الجھ گئی تھی۔

"کیوں......ایسا مبہم تو کچھ نہیں کہا میں نے......"

"کچھ ایسا صاف بھی نہیں کہا......"

تقریباً آدھے گھنٹے کی گفتگو کے بعد اس نے پوچھا تھا، جب وہ بولی۔

"نہیں..... اس روز کے بعد وہ میرے ذاتی معاملات میں کم ہی دلچسپی لیتی ہے....."

"اس کے ساتھ کیا پرابلم ہے، جب دیکھو مزاج ساتویں آسمان پر ہی رہتا ہے....." علی نے کہا تھا اور وہ ہنس پڑی تھی۔

"تم اتنا کیوں خلاف ہوا اس کے؟"

"تمہاری انسلٹ کی تھی اس نے، اس لیے....."

بہت عام سے قطعی جھوٹے لہجے میں وہ کہہ گیا تھا، ادھر علیزہ جیسے نہال ہو گئی۔

"پاگل ہو تم تو مجھ جیسی عام سی شکل وصورت کی مالک لڑکی کو اتنی اہمیت مت دیا کرو کہ خوامخواہ شرمندگی محسوس ہونے لگے....."

"تم صورت کو اہمیت دیتی ہو؟"

"نہیں..... مگر....."

"میں صورت کو اہمیت نہیں دیتا....." اس کی بات کاٹ کر فوراً وہ بولا تھا۔

"تم تو اچھے ہو، بہت گریٹ ہو، ورنہ تمہاری جگہ کوئی اور لڑکا اتنا امیر، اتنا خوبصورت اور اتنا ہردلعزیز ہوتا تو پتہ نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتا....." وہ بہت محبت سے بولی تھی، اور پھر وہ ہنسا تھا۔

"اچھا..... اس کا مطلب ہے تھوڑے بہت نخرے مجھے کرنے چاہئیں....."

"جی نہیں....." اس کے فوراً کہنے کی دیر تھی کہ وہ پھر کھلکھلا اٹھا۔

"کیا چیز ہو یار تم..... قسم سے میرا دل چاہتا ہے کہ ہر وقت تمہیں دیکھتا رہوں اور رات بھر یونہی فون پر باتیں کرتا رہوں..... کیا تمہارا دل نہیں چاہتا؟"

"چاہتا تو ہے مگر میں دل کو زیادہ سر پر نہیں چڑھاتی....." قدرے اترا کر وہ بولی تھی جب وہ ہنسا۔

"اللہ سے ڈرو، اس دل نے بڑے بڑے بادشاہوں کے تخت الٹا دیے....."

"الٹا دیے ہوں گے، ہم کونسے بادشاہ ہیں..... اپنے پاس تو چند سہانے خواب ہیں تھوڑی سی سکون کی نیند ہے اور بس..... یہی کل اثاثہ ہے، لٹ بھی گیا تو کیا....."

"بڑی دور اندیش لڑکی ہو....."

آج وہ کتنا فریش تھا، بات بے بات ہنس رہا تھا۔

"بس..... کبھی غرور نہیں کیا....."

سب گھر والے باہر صحن میں سو رہے تھے اور پڑھائی کے بہانے اندر کمرے میں بیٹھی اس سے باتیں کرتے ہوئے پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔

"اچھا سنو! اگلے ہفتے میرا برتھ ڈے ہے، تم کیا گفٹ دو گی مجھے.....؟" اچانک ہی اس نے گفتگو کا ٹریک بدلا تھا، جب وہ بولی۔

"جو تم کہو....."

"نہیں! گفٹ مانگ کر تھوڑی لیا جاتا ہے تم اپنی پسند سے دینا ناں....."

"ٹھیک ہے، اپنی پسند سے دے دوں گی، مگر کچھ تمہاری پسند کا تو پتہ چلے..... تمہیں کیسی چیزیں پسند ہیں....." وہ تھوڑی سی سنجیدہ ہوئی کیونکہ اس سے پہلے نہ کسی سے ایسا تعلق استوار ہوا تھا، نہ اس نے کسی کو یوں تحفے تحائف دیے تھے۔

"آں..... میری پسند پر جاؤ گی تو نقصان میں رہو گی....."

"کیوں؟" اس کے کچھ سوچ کر بولنے پر وہ تھوڑی سی متعجب ہوئی تھی جب وہ بولا۔

"بس..... ایسی ویسی چیزیں پسند نہیں آتیں مجھے....."

"وہ تو مجھے پتہ ہے، پھر بھی بتاؤ ناں..... تمہیں کیا پسند ہے؟"

"تم....." اس کے اصرار پر بہت اچانک لہجہ بدلتے ہوئے اس نے کہا تھا، جواب میں علیزہ کا دل زور سے دھڑک اٹھا۔

"میں گفٹ میں ملنے والی چیز تو نہیں ہوں....."

"تو تمہیں چیز کہہ کون رہا ہے؟"

اس کے لہجے میں شرارت تھی، علیزہ خاموش ہو گئی۔

"کیا ہوا..... مائینڈ کر گئیں کیا؟"

"نہیں..... اس میں مائینڈ کرنے والی تو کوئی بات ہی نہیں....."

"اس کا مطلب ہے اگر میں اپنے برتھ ڈے پر تمہیں مانگوں تو..... دو گی اپنا آپ مجھے.....؟"

"میں سمجھی نہیں....."

وہ اس کے تقاضے پر خوش فہمی کا شکار ہونے کے باوجود الجھ گئی تھی۔

"کیوں..... ایسا مبہم تو کچھ نہیں کہا میں نے....."

"کچھ ایسا صاف بھی نہیں کہا....."

"اچھا یار......لڑتی کیوں ہو...... بتاتا ہوں، دیکھو اس بار میں چاہتا ہوں کہ اپنی سالگرہ گھر والوں اور دوستوں کے ساتھ سیلیبریٹ کرنے کی بجائے تمہارے ساتھ سیلیبریٹ کروں، کسی ایسی خوبصورت سی جگہ پر جہاں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہ ہو، ایک طرح سے یہ دن میرے لیے یادگار دن بن کر رہ جائے، تمہاری مدہوش کن زلفوں کی چھاؤں میں تیزی سے گزرتے وقت کا پتہ ہی نہ چلے......"

وہ اسے خواب دکھا رہا تھا، ہواؤں میں اڑنے پر مجبور کر رہا تھا، علیزہ کی پیشانی ننھے منے قطروں سے دمک اٹھی۔

"نہیں......آئی ایم سوری علی......میرے گھر والے اس کی اجازت نہیں دینگے......"

"اوسٹوپڈ لڑکی......تم ان کو بتا کر تھوڑی ملنے آؤ گی......"

"پھر بھی علی......ابھی اتنی جلدی میں اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتی"

"اوگاڈ یار......تم تو یوں ری ایکٹ کر رہی ہو جیسے میں نکاح کا کہہ دیا ہو......"

"نکاح کی بات اور ہے مگر......"

"کچھ اگر مگر نہیں......بس تم میرے برتھ ڈے پر مجھے ویسے ہی وش کرو گی جیسے میں چاہوں گا......" وہ تھوڑا سا ضدی تھا، علیزہ پریشان ہو کر رہ گئی۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں ہو، مشکل وہ پہلا قدم تھا جو تم مجھ سے دوستی کی صورت میں اٹھا چکی ہو، اب کچھ مشکل نہیں ہے......اور پھر کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں، تمہاری عزت مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہے......ابھی تک تمہارے بارے میں میں نے اپنے کسی دوست سے بھی تمہارا ذکر تک نہیں کیا، ابا زبردستی انگلینڈ بھجوانا چاہ رہے ہیں، مگر میں نہیں جا رہا کس کے لیے......صرف تمہارے لیے، ساری پرانی حرکتیں چھوڑ دیں میں نے، میں نے نماز بھی شروع کر دی...... پہلے کھانے پینے کا بالکل خیال نہیں رکھتا تھا، صرف تمہاری قسم کی وجہ سے بھوک نہ بھی ہوتی تو اپنی ٹائم لازمی کھانا کھاتا ہوں، میں اتنا کچھ کروں اور تم...... کچھ بھی نہ کرو......"

وہ خفا ہو رہا تھا، علیزہ عجیب سی مشکل میں پھنس گئی، اسے ناراض کرنے کا تصور بھی نہیں تھا اس کے پاس مگر جو فرمائش وہ کر رہا تھا، اسے پورا کرنا بھی اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

"میں مجبور ہوں علی......"

پھنسی پھنسی سی آواز میں اس نے عذر پیش کیا تھا، وہ خفگی سے بولا۔

"محبت کرنے والے کبھی مجبور نہیں ہوتے......"

"لیکن......ہمارے بیچ تو دوستی کا رشتہ ہے......" اس کا دل دھڑکا تھا، لیکن بظاہر وہ مسکرائی تھی۔

"تمہاری طرف سے ہوگا، مجھے تو محبت ہوگئی ہے تم سے......" اتنا حسین انکشاف اس نے کیسے سرسری سے لہجے میں فقط چند لمحوں میں کر ڈالا تھا، وہ گنگ ہی تو رہ گئی۔

"کیا......؟"

"ہاں علیزہ! میں سچ کہہ رہا ہوں، مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے، کب، کیسے کیوں، مجھے نہیں پتہ......میں بس اتنا جانتا ہوں کہ میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتا، کوئی کچھ بھی کہتا رہے، کرتا رہے......آئی ڈونٹ کیئر......" بھاری بھاری سا گمبھیر لہجہ اس کی سماعتوں میں بہار کے تازہ جھونکے کی مانند اتر رہا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے لبوں کو جنبش نہ دے سکی۔

"چپ کیوں ہوگئی ہو......کچھ تو کہو پلیز......" اس کی خاموشی کو محسوس کر کے ہی اس نے کہا تھا۔ جب وہ اپنے احساسات چھپاتے ہوئے بولی۔

"کیا کہوں، سب کچھ تو تم نے کہہ دیا ہے......"

"یار تم مجھ سے پیار نہیں کرتیں؟"

دوسری طرف سے اس نے شاید کروٹ بدلی تھی، علیزہ رات کے سرکتے لمحوں سے ہارنے لگی۔

"پتہ نہیں......"

"واٹ......یہ کیا بات ہوئی......؟ پلیز بتاؤ ناں، کیا تم بھی مجھ سے پیار کرتی ہو یا نہیں......" وہ کھلاڑی تھا، علیزہ کے دھیمے کنفیوزڈ لہجے سے سب کچھ اخذ کر چکا تھا، مگر صرف اس کے منہ سے سن کر اندر کے جنونی اور گھمنڈی دیوتا کو تسکین پہنچانا چاہتا تھا مگر ادھر علیزہ کی ہتھیلیاں پسینے سے نم ہوگئیں۔

"ٹھیک ہے، پتہ چل جائے بتا دینا......اب میں تم سے اسی وقت بات کروں گا جب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ تم مجھ سے پیار کرتی ہو یا نہیں......" قدرے خفا ہو کر اس نے فوراً موبائل آف کر دیا تھا، ادھر علیزہ اس کی خفگی پر کسی قدر پریشان ہو کر اسے دوبارہ کال کرنے کی ہمت بھی نہ کر پائی، گفتگو کو ایک دم کتنا انوکھا ٹرینڈ دے دیا تھا اس نے......وہ بہت دیر تک اپنے دھڑ دھڑ کرتے دل کا شور سنتی رہی تھی۔

......❀......

یہ درد مٹ گیا تو پھر، یہ زخم سل گیا تو پھر
بچھڑ کے سوچتا ہوں، وہ پھر سے مل گیا تو پھر
میں تتلیوں کے شہر میں رہوں تو مجھ کو فکر ہے
وہ پھول جو کھلا نہیں وہ پھول کھل گیا تو پھر
تمہیں بھی کچھ نہیں ملا مجھے بھی کچھ نہیں ملا
تمام عمر کے لیے یہ درد دل گیا تو پھر
میں اس لیے تو آج تک سوال بھی نہ کرسکا
مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا تو پھر
یہ ٹھیک ہے کہ لوٹ کر میرے دل میں آ ؤ گے
مگر یہ سوچ لو ذرا بدل گیا دل گیا تو پھر

"علیزہ......"

وہ عشاء کی نماز کے بعد یونہی تنہا صحن میں اکیلی سکھ چین کے چھوٹے سے پودے کے پاس بیٹھی جانے کیا سوچ رہی تھی کہ اچانک عمر اس کے پاس چلا آیا۔ جواب میں اس نے اس کی صدا پر فوراً چونک کر سر اوپر اٹھایا تھا۔

"ہاں......"

"سردی ہے یار...... یہاں تنہا کیوں بیٹھی ہو؟"

"بس ویسے ہی، تم سوئے نہیں اب تک......" گھٹنوں سے سر اٹھا کر اب وہ اب کی طرف دیکھ رہی تھی، جو اس کے مقابل ہی پنجوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا تھا۔

"نہیں...... دفتر کا کچھ کام رہتا ہے، ابھی وہ نپٹانا ہے، واش روم کی طرف آیا تو نگاہ تم پر پڑ گئی...... آج کل بہت الگ تھلگ رہنے لگی ہو...... خیریت" وہ اس کی بے اعتنائی کو محسوس

کر رہا تھا، علیزہ محض دیکھ کر رہ گئی اسے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے......"

"ایسی کوئی بات نہیں تو تم ہمارے ساتھ لنچ پر کیوں نہیں گئیں؟"

وہ گویا پوری کلاس لینے کے موڈ میں تھا، علیزہ مسکرا دی۔

"آنٹی پیچھے گھر میں اکیلی تھیں عمر...... انہیں تنہا چھوڑ کر کیسے جا سکتی تھی میں...... اور پھر یہ فرمائش ثانیہ نے تم سے کی تھی، اسے بہت برا لگتا اگر میں کباب میں ہڈی کا رول ادا کرتی......"

"بہت فضول لڑکی ہو تم...... اور اتنا ہی فضول سوچتی ہو......" اس کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کرتا وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تمہارا فون مسلسل بج رہا ہے، ٹیبل پر پڑا ہے، جا کر دیکھ لو بیچارہ کون مصیبت کا مارا تمہیں یاد کر رہا ہے...... اور ہاں، امی بتا رہی تھیں کہ کل تم اپنی کسی فرینڈ کے گھر گئی تھیں......"

"ہاں! کالج کے زمانے کی بہت اچھی فرینڈ ہے......" کہتے ہوئے وہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

چلو اچھی بات ہے، جلدی سو جانا......" نرمی سے نصیحت کرتا وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا جبکہ علیزہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ فون اس کے گھر سے تھا۔

"ہیلو......"

سکرین پر نگاہ پڑتے ہی اس نے کپکپاتے ہاتھ سے فون کال کا بٹن پریس کیا تھا، دوسری جانب تھوڑی سی خاموشی کے بعد انیسہ بیگم کی آواز اُبھری۔

"کیسی ہو علیزہ......"

"امی......" دل جتنی برق رفتاری سے دھڑکا تھا، اتنی ہی تیزی سے آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔

"کب سے فون کر رہی ہوں، کہاں تھیں تم......" اس کی ہر خطا کے بعد بھی وہ عورت جو ایک ماں تھی۔ اس سے اپنا ربط ختم نہیں کر پائی تھی۔

"یہیں تھی امی، باہر صحن میں......"

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ روتے ہوئے ہنس پڑے۔ ابھی وہ انہیں شدت سے مس کر رہی تھی اور ابھی انہوں نے اسے یاد کر لیا تھا۔

"اتنی سردی میں صحن میں کیوں بیٹھی ہو؟"

''بس یونہی امی...... آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

''کیسی ہو سکتی ہے؟''

یکلخت ان کے لہجے میں دُکھ در آیا تھا، علیزہ کے آنسو اور روانی سے بہہ نکلے۔

''آئی ایم سوری امی، یہ آئی ایم ریئلی سوری......'' اسے بولنے میں دشواری ہوئی تھی دوسری جانب ہیسہ بیگم بھی جیسے خاموش ہو گئیں۔

''چھوڑو سوری کو، یہ بتاؤ کہ سائرہ کے گھر کوئی مسئلہ تو نہیں ہے......'' کچھ پل خاموش رہ کر انہوں نے پوچھا تھا جب وہ بولی۔

''نہیں امی! سائرہ آنٹی بہت اچھی ہیں، مجھ سے ہی دُکھ سکھ کرتی ہیں اپنے، مگر میں جاب کا سوچ رہی ہوں، زیادہ دن تک کسی پر بوجھ بن کر رہنے کو میرا دل نہیں مانتا...... آپ سنائیے، ابو کیسے ہیں؟ وصی، حسن بھائی، ونیزہ سب......؟''

''سب ٹھیک ہیں، کسی کے ہونے نہ ہونے سے کائنات کا نظام نہیں رکتا، بس ماں کا دل ہی ہے جو ہولتا رہتا ہے......'' کتنی بار وہ رو کر اس کے سامنے دل کا غبار نکال چکی تھیں، اب تو جیسے زخموں کو بھی نیند آنے لگی تھی وہ نئے سرے سے مٹنے بکھرنے لگی، کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد سعید صاحب کے ڈر کی وجہ سے ہیسہ بیگم نے فون رکھ دیا تو علیزہ کے ذہن پر چھائی تھوڑی دیر پہلے والی کوفت جیسے کم ہو گئی۔ اگلے روز وہ سائرہ بیگم کو بتا کر پھر رُحاب کے اصرار پر اس کی طرف چلی آئی۔ آج پھر ٹھنڈی ہواؤں نے ماحول میں خنکی بکھیر رکھی تھی، وہ کچھ دیر اس کی مما عائشہ بیگم کے پاس بیٹھنے کے بعد رُحاب کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی آئی۔

''علیزہ...... کل تم جاب کا ذکر کر رہی تھیں، مجھے اسی سلسلے میں بات کرنی ہے تم سے......''

اپنے کمرے کی کھڑکیوں پر پڑے بھاری پردے، ہٹاتے ہوئے اس نے اپنے بیڈ پر علیزہ کے لیے جگہ بنائی تھی۔

''ہاں کہو......''

''کہیں انٹرویو وغیرہ دیا ہے تم نے؟''

''نہیں ابھی تو نہیں دیا...... کیوں؟''

''میرے پاس بہت اچھی جاب ہے تمہارے لیے......'' تکیہ گود میں لے کر وہ بھی اس کے قریب ہی بیڈ پر ٹک گئی تھی۔

''کیسی جاب؟''

''اچھی جاب ہے یار، میرے بھائی صاحب کے آفس میں...... ابھی رات ہی میں نے ان سے بات کی تھی تمہاری جاب کے متعلق...... تو کہنے لگے کہ میرے آفس میں سب ایڈیٹر کی سیٹ خالی ہے، اپنی دوست سے پوچھ لینا، اگر وہ صحافت میں دلچسپی رکھتی ہیں کہ نہیں......؟''

رُحاب اس کی سوچ سے بھی زیادہ اچھی اور مخلص دوست ثابت ہو رہی تھی اس کے لیے، وہ ممنون نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

''صحافت سے دلچسپی ہے اور بہت زیادہ ہے......''

''تو پھر ٹھیک ہے، کل ہی تم میرے ساتھ چل کر انٹرویو وغیرہ دے آنا اور اپنے ڈاکومنٹس بھی جمع کرا دینا...... باقی سب میں سنبھال لوں گی......'' اس کے جواب پر مسرور ہوتی وہ فریج کی طرف بڑھ گئی تھی، علیزہ نے کھڑکی کے اس پار دیکھا جہاں ڈھلتے سورج کی مدھم پڑتی شعاعوں کے ساتھ ہی سب پنچھی اب لوٹ کر اپنے ٹھکانوں پر واپس جا رہے تھے۔

❁

وسعت دشت ہجر دیکھ کے ڈر جاتا ہوں
تجھ سے آگے کا سفر دیکھ کے ڈر جاتا ہوں
روز ڈھلتے ہوئے سورج کی طرح شام گئے
میں بھی اک درد کے دریا میں اتر جاتا ہوں
وہ بھی چپ چاپ کہیں بیٹھ کے روتی ہوگی
میں بھی راتوں کو ذرا دیر سے گھر جاتا ہوں
میں نے جرم بغاوت کے ستم جھیلے ہیں
میں بھی اب لوگ جدھر جائیں ادھر جاتا ہوں
چل پڑا ہوں میں زمانے کے اصولوں پہ وصی
میں بھی اب اپنی ہی باتوں سے مکر جاتا ہوں

بارش کافی دیر سے ہو رہی تھی۔

وہ کھڑکی میں کھڑی اپنے بازو باہر پھیلائے پانی کی شفاف بوندوں کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھی، جب عمر چپکے سے اس کے پہلو میں آ کھڑا ہوا۔

''باہر بہت بارش ہو رہی ہے علیزہ...... کھڑکی بند کر دو...... سردی لگ جائے گی......''

وہ اس کی آمد پر ذرا چونکی، پھر اپنی توجہ کھڑکی کے اس پار جما لی۔

”نہیں لگتی سردی...... صحراؤں میں جتنے بھی بادل برس جائیں، کیا فرق پڑتا ہے......“

”تم صحرا نہیں ہو...... سمجھیں......“

اس کی اداسی پروہ چڑا تھا۔ علیزہ ہولے سے مسکرادی۔

”صحرا ہی ہوں...... تم نہیں سمجھو گے......“

”میں سمجھنا بھی نہیں چاہتا......“

قدرے خفگی سے کہہ کر اس نے رُخ پھیرا تھا، اس بار وہ کھل کر مسکرادی۔

”ثانیہ سوگئی......؟“

”ہاں...... تب ہی تو آیا ہوں، وگرنہ وہ ہٹلر عورت کہاں تمہارے قریب برداشت کرتی ہے مجھے۔“

اس نے دونوں ہاتھ پینٹ کی پاکٹس میں پھنسائے تھے۔ وہ پلٹ کر بیڈ پر آبیٹھی۔

”فرسٹ ٹائم جب تم مجھے ملے تھے اور تم نے اپنی ازدواجی زندگی کے متعلق جو کہانی مجھے سنائی تھی اسے لے کر میں تمہارے لیے بہت ڈسٹرب ہوگئی تھی...... عورت کی فطری طبیعت کے عین مطابق میرے دل میں تمہارے لیے ہمدردی پیدا ہوگئی تھی اور میں نے...... میں نے گہری سرد آہ بھی بھری تھی کہ کاش اللہ تمہیں میرے نصیب میں لکھ دیتا...... تو میں تمہیں وہ ساری خوشیاں دیتی جو ایک اچھے مرد کو اپنی اچھی بیوی سے ملتی ہیں...... پھر آنٹی نے جب ثانیہ اور تمہارے ریلیشن شپ کا بتایا تو میرا دل تمہاری بیوی سے اور مکدر ہوگیا۔ میرا یہ خیال تھا کہ تمہارے ساتھ بہت ظلم ہوا ہے مگر...... میرا خیال غلط تھا۔ In real تم اس سے جتنی محبت کرتے ہو، کسی اور سے کبھی نہیں کرسکتے......“

”دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا اور کچھ نہیں......“

پلٹ کر ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے اس نے اپنا رُخ پھر کھڑکی کی جانب پھیر لیا تھا۔

علیزہ خالی خالی سے انداز میں اپنی شفاف ہتھیلیوں کو دیکھے گئی۔

”سچ کڑوا ہوتا ہے مگر اس سے نگاہیں نہیں چرائی جاسکتیں......“

”تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے؟“

اب کی بار وہ پلٹ کر اس تک آیا تھا۔ علیزہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

”کیوں؟“

”ہر بات کو اپنے ہی غلط معنوں اور اندازوں میں کیوں لیتی ہو تم؟ میں اس عورت کو

صرف اس لیے رعایت دیے ہوئے ہوں کہ وہ میرے بیٹے کی ماں ہے اور اس کی حماقتوں یا میرے کسی غلط فیصلے کی وجہ سے میرا بیٹا متاثر ہو...... یہ مجھے کسی صورت گوارہ نہیں، تم پتہ نہیں کیا سمجھے بیٹھی ہو......“

پنجوں کے بل وہ اس کے سامنے زمین پر بیٹھ گیا تھا۔

علیزہ اس کی طرف دیکھ کر پھر پھیکے سے انداز میں مسکرادی۔

”اِٹس او کے...... اتنا جذباتی کیوں ہو رہے ہو......

میں نے تو یونہی بات کی تھی......“

”یونہی بات نہیں کرتیں تم...... ضرور کوئی کیڑا کلبلایا ہوگا دماغ میں......“

اب اس کی روشن نگاہیں علیزہ کا چہرہ کھوج رہی تھیں، اس نے آہستہ سے اپنے پاؤں اوپر سمیٹ لیے۔

”بہت ہوشیار ہوتے ہو تم مرد عمر...... بہت ہوشیار...... عورت کو آخری دم تک پتہ نہیں چلتا کہ کب اس کے ساتھ رہتے ہوئے تم مخلص تھے اور کب بے ایمان......“

”کیا بے ایمانی کی ہے تمہارے ساتھ میں نے؟“

اب کے اس کے کشادہ ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھری تھی۔

علیزہ نے اپنی نگاہ اس کی نگاہوں سے چرائی۔

”میرے ساتھ کیوں بے ایمانی کرو گے تم...... مگر اپنی بیوی کے ساتھ ضرور فلرٹ کر رہے ہو......“

”کیا فلرٹ کیا ہے اس کے ساتھ؟ اور یہ تمہیں آج اس سے محبت و ہمدردی کا بخار کیوں چڑھ رہا ہے......“

ابرو اچکاتے ہوئے اس نے خاصے تیکھے لہجے میں پوچھا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

”پتہ نہیں...... بس مجھے عورت کو کھلونا سمجھ کر کھیلنے والے مردوں سے شدید نفرت ہے...... اب جاؤ پلیز مجھے نیند آرہی ہے......“

وہ پچھلے کئی دنوں سے دل میں دبا غبار نکال رہی تھی۔ عمر نے لب بھینچ کر قدر خفگی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر بنا کچھ کہے پوچھے فوراً اس کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

❁

کہوتو لوٹ جاتے ہیں
ابھی تو بات لمحوں تک ہے
صدیوں تک نہیں پہنچی
ابھی مسکان کی نوبت بھی ہونٹوں تک نہیں آئی
ابھی تو کوئی مجبوری خیالوں تک نہیں آئی
ابھی تو گرد پیروں تک ہے بالوں تک نہیں آئی کہوتو لوٹ جاتے ہیں
تمہارا ساتھ گر مل جائے تو
زمانے سے الجھنا بات ہی کیا ہے
اگر تم چھوڑ دو مجھ کو
میری اوقات ہی کیا ہے؟
میرے بارے میں نہ سوچو
تم اپنی بات بتلاؤ
کہوتو چلتے رہتے ہیں
کہوتو لوٹ جاتے ہیں

علی کا موبائل مسلسل آف تھا اور وہ مسلسل اسے کال کرنے کی کوشش میں لگی، ہلکان ہوتی، دوپہر اور شام کا کھانا بھی گول کر گئی تھی۔ اس روز چونکہ سنڈے تھا، لہٰذا وہ کالج بھی نہ جا سکتی تھی، اس کے ماں باپ نے کتنے شوق سے کالج میں داخلہ کروایا تھا اس کا...... کتنے خواب تھے جو اس کے حوالے سے ان کی آنکھوں میں بسے تھے مگر وہ صرف اپنے نفس کی تسکین، اپنے دل کی راحت کے لیے ان سب خوابوں کو مٹی میں ملا بیٹھی تھی۔

اس کا محبوب اچانک اس سے ناراض ہو گیا تھا اور اس سے جیسے یہ اذیت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ شام میں اسے ہلکا ہلکا بخار بھی چڑھ آیا تھا۔ انیسہ بیگم تبھی فکر مند ہو کر اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

"علیزہ......"

وہ تکیے میں منہ دیے بیڈ پر الٹی لیٹی تھی۔ جب انہوں نے فکرمندی سے پکارا۔

"جی امی......"

جواب میں تکیے سے منہ باہر نکالے بغیر مری مری سی آواز میں اس نے جواب دیا تھا

کیونکہ اس وقت وہ رو رہی تھی، اور اسے کسی صورت ان آنسوؤں کا راز اپنی ماں پر ظاہر نہیں کرنا تھا۔

"کھانا کیوں نہیں کھایا تم نے...... دوپہر سے کمرے میں بند پڑی ہو...... طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری......"

بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ کر اس کے بازو سے حرارت چیک کرتے ہوئے انہوں نے زبردستی اس کے چہرے سے تکیہ ہٹایا تھا۔

"سونے دیں ناں امی...... کھانا کھانے کو دل نہیں چاہ رہا......"

"کیوں نہیں چاہ رہا...... ہوا کیا ہے جو یوں سر منہ لپیٹ کر پڑی ہو صبح سے...... بتاؤ شاباش......"

وہ ماں تھیں، علیزہ کے لیے ان کے سامنے اپنے آنسوؤں کی وضاحت دینا مشکل ہو گئی۔

"کچھ نہیں ہوا...... بس یونہی نادیہ سے تھوڑی کھٹ پٹ ہو گئی ہے......"

قطعی جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے اس نے اپنے دل کے چور کو صاف بچا لیا تھا۔ انیسہ نے سنجیدگی سے اس کی بھیگی ہوئی سرخ آنکھوں کو دیکھتے ہوئے دائیں ہاتھ سے اس کے بکھرے ہوئے بال سمیٹنا شروع کر دیے۔

"اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر اتنی زیادہ جذباتی مت ہو جایا کرو...... پتہ نہیں زندگی میں آگے کیسے کیسے رنگ دیکھنا پڑیں...... خیر چلو اب اٹھو، منہ ہاتھ دھوؤ اور کھانا کھا لو...... اس نادیہ کی بچی سے میں خود نپٹ لیتی ہوں......"

"نہیں امی...... آپ اسے کچھ بھی نہیں کہیں گی...... اس طرح وہ سمجھے گی کہ میں نے آپ سے اس کی شکایت کی ہے اور یہ بھی کہ وہ میرے لیے اتنی ویلیو ایبل ہے کہ میں اس کے لیے رو رہی ہوں...... اس طرح تو وہ اور سر چڑھ جائے گی میرے......" گھبرا کر جلدی سے کہتے ہوئے اس نے وضاحت دی تھی۔ انیسہ بیگم اس بار اس کے الفاظ پر بھی مسکرا دیں۔

"اللہ سمجھے تم دونوں کو...... پیار بھی کرتی ہو ایک دوسرے سے اور رہ بھی نہیں سکتیں ایک دوسرے کے بغیر...... بہر حال میں کھانا نکال رہی ہوں، جلدی سے باہر آ جاؤ، تمہارے ابو کئی بار تمہارا پوچھ چکے ہیں اور حسن بھی۔"

کمرے سے نکلتے انہوں نے کہا تھا، جب وہ بولی۔

"اوکے، آپ چلیے...... میں بس ابھی منہ دھو کر آتی ہوں......" کہنے کو کہہ دیا تھا اس نے مگر اس وقت بھوک کا ہلکا سا احساس بھی نہیں تھا اس کے پاس۔ دل میں سکون نہ ہو تو دنیا کی

کوئی چیز اچھی نہیں لگتی، وہ بھی صرف اپنے غم کا بھرم رکھنے کے لیے بستر سے اُٹھ آئی تھی، تاہم اٹھتے اٹھتے اس نے علی کا نمبر ایک مرتبہ پھر ٹرائی کیا تھا اور ایک مرتبہ پھر کمپیوٹر The no you have dialed is not responding- سن کر اس کا دل بے کلی کی بھینٹ چڑھ کر رہ گیا تھا۔

"تم بہت بُرے ہو علی...... سچ میں بہت بُرے ہو تم......" قطعی بے بسی سے بڑبڑاتی وہ واش روم کی طرف بڑھ گئی تھی۔

❁

موسم خاصا ابر آلود ہو رہا تھا۔

ٹھنڈی ہواؤں کے تیز تھپیڑوں کا مقابلہ کرتے ہوئے حماد کے ساتھ اپنے دوست اور کزن عمیر کو ایئر پورٹ چھوڑنے آیا تھا۔ جب واپسی پر اچانک اس نے گاڑی کو زبردست بریک لگا دی۔

"کیا ہوا......؟"

حماد جو اپنے ہی خیالوں میں مست ترنم سے گنگنانے کی کوشش کر رہا تھا، اسکے یوں اچانک بریک لگانے پر پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ جواب میں علی نے اپنی نگاہوں سے اسے راہ دکھائی۔

"سنڈے کی چھٹی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے علیزہ کی دوست نادیہ...... کسی اور لڑکی کے ساتھ شاید شاپنگ سے فارغ ہو کر واپس گھر جا رہی تھی...... اس کی نگاہیں جیسے نادیہ کے دلکش سراپے پر جم کر رہ گئیں۔

"یہ نادیہ ہے...... تیری علیزہ کی دوست...... خیریت...... کوئی قرض ورض دینا ہے کیا اس کا؟"

"ہاں دینا تو ہے قرض......"

پُر خوش نگاہوں سے نادیہ کو دیکھتے ہوئے اس نے اسٹیرنگ پر گرفت مضبوط کی تھی جب وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"باز آجا...... ہر لڑکی پکاؤ مال نہیں ہوتی......"

"اسے کون کمبخت کہتا ہے پکاؤ مال...... اس کے معاملے میں سیریس ہوں میں......"

"شٹ اپ......"

اسے برا لگا تھا، مگر علی نے توجہ نہیں دی۔

"ایکسکیوزمی۔"

عین اسی اثناء میں نادیہ ان کی گاڑی کے قریب سے گزری تو علی نے لپک کر پکار لیا۔

وہ خاصی حیرانگی سے پیچھے پلٹی تھی۔

"جی......" پلٹ کر کڑی حیران کن نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے وہ بولی تو علی گاڑی سے باہر نکل آیا۔

"السلام علیکم...... کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام...... ٹھیک ہوں، یوں سرِ راہ رکنے کا مقصد......؟"

حماد چپ چاپ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے سینے پر دونوں بازو لپیٹے اسے دیکھ رہا تھا، جیسے اس گفتگو سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ علی چند لمحوں کے لیے کنفیوژ ہوا تھا۔

"وہ موسم ٹھیک نہیں ہے...... کسی بھی لمحے بارش ہونے کا امکان ہے، میں یہاں سے گزر رہا تھا کہ آپ پر نظر پڑ گئی...... سوچا لفٹ دے دوں...... آپ مائنڈ نہ کریں تو میں آپ کو گھر ڈراپ کر دیتا ہوں......"

"جی نہیں، بہت شکریہ آپ کا...... میرے پاؤں سلامت ہیں، میں خود چلی جاؤں گی......" قطعی کٹیلے لہجے میں وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی مگر علی نے پیچھا نہیں چھوڑا۔

"بات تو سنیں پلیز......"

نادیہ کی پیشانی اس کے ڈھیٹ پن پر شکنوں سے پُر ہو گئی۔ سخت کڑے تیور لیے وہ رک کر پھر پیچھے پلٹی تھی۔ "آپ کیوں چاہتے ہیں کہ میں بھرے بازار میں آپ کی عزت افزائی کروں......"

"نادیہ پلیز...... آپ مجھے غلط سمجھ رہی تھیں...... میں جسٹ آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں، دو گھڑی رک کر بات سن لیں گی تو کون سا شان میں کوئی حرف آجائے گا......"

"کیوں سنوں میں تمہاری بات...... تمہارے باپ نے خریدا ہوا نہیں ہے مجھے جو میں تم جیسے لوفر انسان کی کسی بات پر کان دھروں...... اپنی فنکاری سے مجھے معاف ہی رکھو...... ورنہ وہ حشر کروں گی کہ یاد رکھو گے......"

اس کا لہجہ جیسے آگ اگل رہا تھا۔ حماد کے گداز لبوں پر بڑی دلفریب سی مدھم مسکان بکھر گئی۔ نادیہ اس کی توقع کے عین مطابق پیش آرہی تھی اس کے ساتھ۔ جبکہ ساری دنیا کو اپنی انگلی پر نچانے والا علی رضا جیسے اس کے سامنے قطعی بے بس دکھائی دے رہا تھا۔

"آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں؟"

"مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو سمجھنے کی...... سمجھے آپ......" وہ غصے سے پھٹنے کو ہو رہی تھی، پھر اس سے پہلے کہ لوگ کوئی تماشہ دیکھتے اس کی فرینڈ اس کا ہاتھ تھام کر اسے آگے لے گئی۔ علی نے اس شکست پر بڑی بے بسی سے خاصا طاقتور مکا گاڑی کے بونٹ کو رسید کیا تھا۔

"اس بیچاری کا کیا قصور ہے...... جس کا قصور ہے وہ تو کھری کھری سنا کر چلی گئی ہے تمہیں......" حماد کے لبوں کے کناروں میں بڑی محظوظ کن سی مسکراہٹ دبی تھی، علی گھور کر اسے دیکھتے ہوئے پھر سے ڈرائیونگ سیٹ پر ٹک گیا۔

"بکواس بند کرو...... دانت توڑ دوں گا تمہارے۔"

"کھسیانی بلی کھمبا نوچے......"

وہ بھی طنز سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے رُخ پھیر گیا۔

❁

جانے کون نگر کی چڑیا
شام منڈیر پہ آبیٹھی ہے
چونچ میں اک نازک سی ڈالی
اس پہ لیے سنہری پھول
جیسے عشق سفر کی دھول......

عمر اس سے رُوٹھ گیا تھا مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔ اس روز سائرہ بیگم کو بتا کر صبح صبح ہی وہ رُحاب کی طرف آ گئی تھی۔ ہر طرف بکھری کہر نے اسے خنکی کا احساس دلایا تھا مگر وہ بے نیاز بنی پیدل چلتی رہی۔ اس نے عمر کو نہیں بتایا تھا مگر وہ خود محسوس کر رہی تھی کہ پچھلے کچھ دنوں سے ثانیہ اس پر اپنا حق جتانے لگی تھی۔ وہ چائے بنانے لگی۔ وہ عمر کا کوئی کام کرنے کو اٹھتی تو وہ منہ بنا کر اس سے وہ چیز چھین لیتی۔ اور علیزہ اس کا منہ دیکھتی رہ جاتی۔ سائرہ بیگم پر بھی اب وہ اپنا حق جتانے لگی تھی۔ وہ ~~بے حد~~ بے حد ہرٹ ہو کر رہ جاتی۔

ڈال سے جدا ہوئے پتے کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ اسے اب شدت سے احساس ہونے لگا تھا کہ وہ وہاں بھی مس فٹ ہے۔ لہٰذا جاب کی ضرورت پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھی اس کے لیے۔ وہ رُحاب کے گھر تک پہنچی تو سردی اس کی نس نس میں اتر چکی تھی۔ دروازہ رُحاب نے ہی کھولا تھا۔

"ہاں...... کیوں تم ویٹ کر رہی تھیں؟"

"ہاں ناں...... ابھی بھائی گھر سے نکلے ہیں، تم نے جاب کے متعلق جواب ہی نہیں دیا......" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیدھی اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔ عائشہ بیگم اس وقت محو استراحت تھیں لہٰذا وہ انہیں سلام نہ کر سکی۔

"جاب تو کرنی ہی ہے یار...... جتنی جلدی مل جائے اتنا ہی اچھا ہے......"

"تو ٹھیک ہے پھر، میں آج فائنل بات کر لیتی ہوں بھائی سے...... تم اپنی تیاری مکمل رکھو......"

"میری تیاری مکمل ہے...... تم کہو ابھی چلے چلتے ہیں تمہارے بھائی کے آفس......"

رُحاب اس کے فوری جواب پر مسکرائی۔

"اب اتنی بھی جلدی نہیں ہے...... تم بیٹھو، میں چائے لے کر آتی ہوں......"

خوش دلی سے کہتی وہ اس کے قریب سے اٹھ گئی تھی۔ علیزہ دونوں پاؤں سمیٹ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"یہ لو گرما گرم چائے، پیو گی تو یاد ہی کرو گی رُحاب کے ہاتھ کے ذائقے کو......"

اگلے پندرہ منٹ میں ہی وہ واپس آ گئی تھی، علیزہ اس کے خلوص پر مسکرا دی۔

"بہت بہت شکریہ......"

اس نے اپنے حصے کا بھاپ اڑاتا چائے کا کپ ذرا سا آگے کو جھکتے ہوئے اٹھا لیا۔ عین اس لمحے دروازے پر بیل ہوئی تھی۔

"تم بیٹھو...... میں دیکھتی ہوں کون ہے؟"

رُحاب اسے بسکٹ کی پلیٹ تھما کر فوراً پاس سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، دھیمے لہجے میں شوخ سا گیت گنگناتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا تھا اور پھر جیسے پتھر ہو کر رہ گئی تھی۔

"تم......" سامنے ایستادہ کھڑی شخصیت کو دیکھتے ہوئے وہ جیسے پاتال کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گری تھی۔

❁

اگلے روز سوموار تھا، اور وہ جلدی جلدی ناشتہ کر کے وین کا انتظار کیے بغیر پیدل ہی کالج چلی آئی تا کہ اپنے بیقرار دل کو قرار دے سکے۔ اندر کہیں یہ خدشہ بھی تھا کہ پتہ نہیں علی آج کالج آئے گا بھی کہ نہیں...... ہلکی ہلکی بوندا باندی اس وقت بھی جاری تھی مگر وہ لان میں کھڑی

بے تابی سے اس کی راہ دیکھتی رہی۔

نادیہ اس روز کالج نہیں آئی تھی اور اسے اس کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ وہ تو بس علی کو منانا چاہتی تھی، مگر اس کے خدشے کے عین مطابق وہ کالج نہیں آیا تھا، اور یوں ایک اور دن جیسے اس کے لیے عذاب کی صورت تیار تھا۔ وہ کالج سے گھر واپس آئی تو یونہی فضول میں وصی اور ونیزہ کے ساتھ اس کی جھڑپ ہوگئی۔ انیسہ بیگم کچھ مہمانوں کے ساتھ بڑے کمرے میں باتوں میں مصروف تھیں، اسے دل کا غبار غصے کی صورت نکالنے کا موقع میسر آگیا۔ وصی اور ونیزہ اس سے مار کھا کر اب رو رہے تھے، مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔ انیسہ بیگم مہمانوں سے فارغ ہوئیں تو اس کی خوب کلاس لی کیونکہ وصی اور ونیزہ نے مہمانوں کے بیٹھے ہی اس کی شکایت جڑ دی تھی۔

"شرم کرو علیزہ...... کوڑھا کی کوڑھا ہوگئی ہو...... عقل نام کی کوئی چیز ہے تم میں کہ نہیں؟"

وہ دو ہتھو اسے رسید کرتے ہوئے انہوں نے اپنا غصہ نکالا تھا۔ جب وہ ڈسٹرب اعصاب کے ساتھ ان سے بھی الجھ پڑی۔

"کیا امی...... جب دیکھیں آپ مجھ پر غصہ اتارتی رہتی ہیں...... کبھی اپنے لاڈلوں کی خبر بھی لے لیا کریں......"

"چپ کر بدتمیز...... کہیں منہ دکھانے جوگا چھوڑے گی مجھے کہ نہیں؟" چھوٹی ونیزہ کی ٹسں ٹسں اب بھی جاری تھی۔ وہ جیسے ماں کے الفاظ پر تڑپ اٹھی۔

"کیوں...... میں نے کون سی کالک مل دی ہے آپ کے منہ پر جو آپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں؟"

"بکواس کرنا بند کرتی ہے کہ لگاؤں دو اور......" انیسہ بیگم کا غصہ اس کی اس درجہ بدتمیزی پر پہلی بار کنٹرول سے باہر ہو رہا تھا۔ وہ تنفر سے سر جھٹکتی اوندھے منہ اپنے بیڈ پر گر پڑی۔

"بڑے چھوٹے کا لحاظ ہے اس لڑکی کو...... نہ کسی آئے گئے کی شرم، باپ کو شادی کی فکر ستا رہی ہے اور یہاں بیٹی صاحبہ کا بچپنا ہی رخصت نہیں ہو رہا......" انیسہ بیگم اس کے سر پر کھڑی ہو کر ہی اپنا غصہ اتار رہی تھیں۔ اس نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔

"تمہاری شادی کی فکر ستا رہی ہے تمہارے باپ کو...... اور کسے ستائے گی، نامراد ہر پل دل جلاتی رہتی ہے...... لوگوں کی لڑکیاں اس عمر میں اتنی سمجھدار ہوتی ہیں...... ایک میرے ہی نصیب پھوٹے تھے جو اللہ نے یہ پھوہڑ لڑکی میری جھولی میں ڈال دی......"

"آپ کو ہمیشہ گلہ ہی رہے گا مجھ سے...... پہلے مجھے شک تھا، اب تو پکا یقین ہو چکا

ہے کہ آپ میری سوتیلی ماں ہیں......"

باپ کی شادی کی فکر پس پشت ڈالتے ہوئے اس نے اپنا دل ہلکا کیا تھا۔ انیسہ اسے دکھ اور غصے سے گھور کر رہ گئیں۔

"فضول بکواس جتنی چاہو کروا لو تم سے...... کبھی عقل کی کوئی بات نہ سیکھنا......"

"جب وقت آئے گا تب سیکھ لوں گی...... ابھی تو آپ میرے حال پر رحم کریں اور مجھے آرام کرنے دیں، پہلے ہی سر میں درد کے ابال اٹھ رہے ہیں" نخوت سے کہتے ہوئے اس نے ایک مرتبہ پھر سر تکیے میں دے دیا تو انیسہ بیگم برہمی سے مسلسل بڑبڑاتے ہوئے اس کے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اسی روز دوپہر میں وہ سو کر اٹھی تو اس کے سیل پر علی کا massage آیا تھا۔

"The bohat buri ho Aleeza" سکرین پر کندے الفاظ دیکھ کر اس کی تو جیسے جان میں جان ہی آگئی۔ ابھی آنکھیں پوری طرح کھلی بھی نہیں تھیں کہ اس نے تین چار ردمیٹک سے massage جواب میں اسے Send کر دیے۔ کیونکہ اس وقت اس کے سیل میں کال کرنے کے لیے بیلنس نہیں تھا۔ اس کے میسج کے جواب میں علی نے اسے فوراً کال بیک کی تھی۔

"ہیلو......" اپنے مخصوص بھاری لہجے میں کال پک ہوتے ہی اس نے ہیلو کہا تھا۔ جواب میں علیزہ کا حلق آنسوؤں سے رندھ گیا۔

"ہیلو......" اسے خاموش پا کر اس نے دوبارہ "ہیلو" جھاڑی تھی، جب اس نے جلدی سے خود کو سنبھال لیا۔ اس کا کیا بھروسہ تھا، وہ فوری کال ڈراپ کر دیتا، اسے خاموش پا کر، اور وہ پھر اس کے لیے تڑپتی رہ جاتی۔

"ہیلو...... السلام علیکم......" چاہنے کے باوجود وہ اپنے رندھے لہجے میں بشاشت پیدا نہ کر سکی تھی، اور یہی تو علی کی کامیابی تھی، وہ مسکرایا تھا۔

"وعلیکم السلام...... کیسی ہو چڑیل؟" ادھر جیسے دو دن بات نہ کرنے کا کوئی اثر ہی نہیں تھا۔ علیزہ جی بھر کر ہرٹ ہوئی۔

"جیسی بھی ہوں، تمہیں اس سے کیا...... تم رہو اپنی دنیا میں خوش......"

"تمہارے بغیر خوش کیسے رہ سکتا ہوں یار...... میری دنیا میں تو تم ہی ہو......"

"یہی تو سب سے بڑی بکواس ہے...... جو کسی کے لیے دنیا ہوتا ہے اس کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جاتا جیسا تم نے کل پرسوں سے میرے ساتھ روا رکھا ہے......" اس بار اس کے

گلے پر وہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

"توبہ کرو یار......کیا سلوک کر دیا میں نے......صرف سیل ہی تو آف کیا تھا، اور وہ بھی میرا حق بنتا ہے......کمال ہو گیا یار، کوئی شخص آپ کو دل کی گہرائیوں سے چاہے، پیار کرے، اپنا سب کچھ سمجھے اور آپ اس پر اعتبار بھی نہ کر سکو، اس سے بڑھ کر محبت کی توہین اور کیا ہو گی......سچ بڑا ہرٹ کیا ہے تم نے مجھے......پہلی بار کسی لڑکی کو میں نے خود چاہا اور اس نے مجھے میری اوقات پل میں یاد کروا دی......"

"ایسا مت کہو......" اس کے گلے پر وہ احتجاجاً مچلی تھی، جب وہ بولا

"کیوں نہ کروں، کم از کم یہ حق تم مجھ سے چھین نہیں سکتیں......میرے بس میں ہوتا تو اتنی بڑی انسلٹ کے بعد کبھی تم سے دوبارہ رابطہ نہ کرتا......مگر کیا کروں، اس دل نے کسی جوگا نہیں چھوڑا، بڑے بڑے بادشاہوں کے تخت الٹا دیے اس کمبخت دل نے......" اسے اچھا بولنا اور بول کر پھنسانا آتا تھا۔ علیزہ نے اس لمحے بے حد شرمندگی محسوس کی۔

"آئی ایم سوری علی......میرا مقصد ہر گز تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا......کتنی بار کہہ چکی ہوں میرے لیے تم دنیا کے سب سے اچھے لڑکے ہو......"

"سب سے اچھا لڑکا ہوتا تو تم مجھے یوں بے اعتبارہ نہ کرتیں......"

"کب بے اعتبارہ کیا ہے میں نے تمہیں......ایویں چھوٹی سی بات کو دل سے لگا کر بیٹھ جاتے ہو......"

"او کے......چلو پھر بتاؤ مجھے، مجھ سے پیار کرتی ہو کہ نہیں......؟"

وہ اپنی اسی بات پر اُڑا رہا۔ علیزہ نے اس بار دل کے ساتھ دشمنی نہیں کی۔

"ہاں کرتی ہوں......بے حد، بے تحاشا پیار کرتی ہوں تمہیں......" قطعی جذب کے عالم میں اس نے اقرار کیا تھا۔ علی کے شوق کا دریا اسی ایک لمحے میں اتر گیا۔

"پھر میرا برتھ ڈے ویسے ہی وش کرو گی ناں......جیسے میں چاہتا ہوں......"

"نہیں علی......مجھے اس کی اجازت نہیں ملے گی"

"وہ میرا مسئلہ ہے، تم صرف ہاں یا ناں میں جواب دیتی رہو......"

اس بار اس نے تھوڑا رعب جمایا تھا۔ وہ اس کے اپنائیت انداز پر آہستہ سے مسکرا دی۔

"او کے......"

"میرا برتھ ڈے میری فرمائش کے مطابق سلیبریٹ کرو گی یا نہیں......"

"کروں گی......"

"تھینکس جانم......مجھے پتہ تھا میری جان میرا دل کبھی توڑ ہی نہیں سکتی......کل کالج سے چھٹی کر لینا، پرسوں شام انشاء اللہ تمہاری زندگی کی یادگار شام ہو گی......" کتنے خوبصورت انداز میں وہ جال پھینک رہا تھا۔ علیزہ اس لمحے بناء کچھ کہے صرف اپنی دھڑکنوں کا شور سنتی رہی تھی۔

❁

تیری ہجرتوں کا ملال تھا مگر اب نہیں
مجھے صرف تیرا خیال تھا مگر اب نہیں
تیری بے مثال محبتوں کے نصیب میں
تو زمانے بھر میں مثال تھا مگر اب نہیں
تیری قربتوں میں نہال تھا مگر اب نہیں
میں تیری تلاش میں ریزہ ریزہ بکھر گیا
وہ جنون شوق وصال تھا مگر اب نہیں
تیرے در پہ آخری بار آ کے پلٹ گیا
میری زندگی کا سوال تھا مگر اب نہیں

وہ پتھر بنی دہلیز پر کھڑی تھی اور اس کے سامنے کھڑا وہ شخص خاصی گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم......"

اس کی بصارتوں کو یقیناً دھچکا لگا تھا۔

سارب علی ہمدانی نے آہستہ سے لب بھینچ کر نگاہ پھیر لی۔

"میرے علم میں نہیں تھا کہ اب یہ تمہارا گھر ہے......"

وہ یقیناً جھوٹ بول رہا تھا۔

رُحاب کے اندر جیسے کئی کانچ ٹوٹ کر بکھیر گئے۔

"اب پتہ چل گیا ناں، اب زندگی میں دوبارہ بھی یہاں مت آنا......"

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ رو پڑی تھی۔

سارب علی ہمدانی نے کچھ دیر گہری نگاہ سے اس کے آنسوؤں کا تماشہ دیکھا، پھر فوراً واپس پلٹ گیا۔ تیز تیز قدم اٹھاتے وہ جب تک اس کی نگاہ سے اُوجھل نہیں ہو گیا وہ وہیں دہلیز پر

کھڑی روتی رہی!

کچھ دیر بعد خود کو سنبھالتی، وہ شکستہ قدموں سے کمرے میں واپس آئی تو علیزہ اس پہ نگاہ پڑتے ہی چونک اٹھی! وہ اس کی کتابوں کی ایک الماری کھنگال رہی تھی!

"رُحاب، کیا ہوا جانی......"

اس کے چہرے پر آنسوؤں کے نشان ثبت دیکھ کر وہ تیزی سے اس کے قریب آئی تھی!

رُحاب کو لگا اس وقت وہ اس کے سامنے اپنا بھرم قائم نہیں رکھ سکے گی!

"کچھ نہیں......بس......میں بہت تھک گئی ہوں علیزہ......"

اس کا لہجہ گلوگیر ہوا تھا۔

علیزہ فکرمندی سے اس کے ہاتھ تھام کر اس کے پہلو میں بیٹھ گئی۔

"کون آیا تھا باہر دروازے پر......؟"

"پتہ نہیں......"

کہنے کے ساتھ ہی وہ آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر اس کے گالوں پر بکھر گئے تو علیزہ کی پریشانی مزید بڑھ گئی!

"جانو ابھی تو فریش تھیں تم، کچھ تو بتاؤ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ......"

وہ اس وقت اپنے آپ میں نہیں تھی۔

علیزہ نے اسے اس وقت تنہا چھوڑ دینا مناسب سمجھا۔

"پلیز بی ریلیکس رُحاب......میرا خیال ہے اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے، تم ریسٹ کرو میں پھر آجاؤں گی......"

رُحاب کے ہاتھ اب تک اس کے ہاتھوں میں تھے۔

اس کا پورا وجود ہولے ہولے لرز رہا تھا۔ اس وقت شاید وہ خود بھی تنہائی چاہتی تھی تبھی دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا تو علیزہ اسے پیار کر کے فوری اس کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ جس وقت وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی اس کا ٹکراؤ قطعی طور پر اس کے بھائی سے ہو گیا تھا۔

"السلام علیکم......"

گڑبڑا کر فوری طور پر وہ اسے محض یہ ہی کہہ سکی تھی جب وہ بولا۔

"وعلیکم السلام......رُحاب اوپر کمرے میں ہے......؟"

"جی......لیکن اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ ریسٹ کر رہی ہے......"

"کیا ہوا ہے اسے......؟" وہ متفکر ہوا تھا جب وہ بولی۔

"پتہ نہیں......تھوڑی دیر پہلے تک تو فریش تھی، ابھی تھوڑی دیر قبل کسی نے ڈور بیل بجائی اور وہ دروازے تک گئی، اس کے بعد پتہ نہیں کیا ہو گیا، واپس آئی تو رو رہی تھی......"

سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے رُحاب کے بھائی سے ہونے والی وہ اس کی پہلی باقاعدہ بات چیت تھی۔ روز کی مانند اس وقت بھی رُحاب کی مما اپنے کمرے میں ہی بند تھیں۔

"ہوں......یقیناً سارب آیا ہوگا......" کچھ دیر بعد وہ سوچتے ہوئے بولا تھا جب اس نے پوچھا۔

"سارب کون......؟"

"شوہر ہے رُحاب کا، اور میرا بزنس پارٹنر، میں نے ہی بھیجا تھا اسے بہانے سے، تاکہ ان دونوں کے بیچ قائم غلط فہمی دور ہو جائے، خیر آپ یقیناً اس کی فرینڈ علیزہ ہیں، ہے ناں؟"

"جی ہاں......"

وہ اس کی وضاحت کا مفہوم تو نہیں سمجھ سکی تھی تاہم اپنا فوری تعارف کروایا تھا۔

"میرا نام سعد ہے، رُحاب نے بتایا ہی ہوگا، بہت ذکر کرتی ہے آپ کا، کسی جاب وغیرہ کے لیے بھی کہہ رہی تھی کہ آپ کو ضرورت ہے......؟"

سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے ہی وہ تمام گفتگو سمیٹ لینا چاہتا تھا۔

علیزہ نے پھر فوری اثبات میں سر ہلایا۔

"جی ہاں......"

"میرے آفس میں سب ایڈیٹر کی سیٹ خالی ہے، اگر آپ صحافت سے دلچسپی رکھتی ہیں تو کل آفس تشریف لے آیئے گا......"

"جی ٹھیک ہے......"

وہ اب جلد از جلد وہاں سے کھسکنا چاہتی تھی۔

سعد نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا کر اسے بڑھنے کا راستہ دے دیا۔

❁

اس روز کی صبح بڑی عجیب سی تھی!

رات بھر اس کے دل سے دماغ کی جنگ چلتی رہی تھی۔ دل اسے مشرقیت کی حدوں کو عبور کرنے پر اُکسا رہا تھا اور دماغ اس کی راہ میں، مختلف مثبت سوچوں سے رکاوٹ ڈال رہا تھا۔

وہ جانتی تھی اگر اس سلسلے میں اس نے نادیہ سے مشورہ کیا تو وہ ہرگز اسے دل کی راہ پر چلنے کی اجازت دے گی نہ مشورہ، جبکہ اس کے لیے اس وقت دل دماغ سے زیادہ لاڈلہ ہو رہا تھا......

اس روز کی صبح تھی۔ وہی کچن میں برتنوں کی کھٹ پٹ وہی چھوٹی وینزہ اور وصی کا جھگڑا، وہی صحن میں بلند ہوتی حسن اور اس کے ابو جی کی معمول کی آوازیں، وہی انیسہ بیگم کی مصروفیات کہیں کچھ بھی تو چینج نہیں تھا مگر پھر بھی اسے لگ رہا تھا کہ کچھ چینج ہے......

دل کی ہٹ دھرمی اپنی جگہ مگر رات بھر مسلسل جاگنے اور مسلسل سوچتے رہنے کے باعث اس لمحے اسے اپنے اعصاب بے حد کمزور محسوس ہو رہے تھے۔ دل و دماغ کی کشمکش سے نگاہ چراتی، وہ منہ پر چند ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر جس وقت اپنے کمرے سے باہر آئی اس کے ہاتھ پاؤں میں واضح لرزش تھی......

روز کے معمول کے مطابق اعتماد سے سر اٹھا کر وہ اپنی ماں سے پٹر پٹر باتیں نہیں کر پا رہی تھی، انیسہ بیگم نے جس وقت اس کے ہاتھوں میں ناشتے کی ٹرے پکڑائی اسے باہر صحن میں بیٹھے اپنے باپ اور بھائی کے سامنے جاتے ہوئے پہلی بار ایک عجیب سی جھجک محسوس ہو رہی تھی......

شاید یہ اس کے اندر کا چور تھا جو اسے والدین کے اندھے اعتماد کا خون کرنے کا احساس دلا رہا تھا۔

ناشتے میں خود چند لقمے حلق سے بمشکل اتار کر جس وقت وہ بڑی سی چادر میں اپنا وجود لپیٹے گھر سے کالج کے لیے نکلی تھی اس کا دل بہت عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا...... علی رضا اسے کالج کے راستے میں ہی بائیک لیے مل گیا تھا...... اس وقت اس کے چہرے پر ایسی فاتحانہ چمک تھی جیسے اپنے شکار کو دیکھ کر شکاری کے چہرے پر در آتی ہے۔ علیزہ کو اکیلے سڑک پر چلتے دیکھ کر، وہ بائیک کے ساتھ، سرعت سے اس کی طرف لپکا تھا......

"بیٹھو علیزہ......"

انداز ایسا تھا گویا وہ اس کی منکوحہ ہو!

علیزہ چند لمحے محتاط نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد چپکے سے اس کے پیچھے بائیک پر بیٹھ گئی...... گو اس لمحے اس کا دماغ خاموش نہیں تھا، مگر اس نے دماغ کی سرزنش پر کان نہیں دھرے۔ اس لمحے دل، دل کی خواہشیں اور محبوب کی خوشنودی اس کی ہر سوچ پر حاوی ہو رہی تھی......

راستے میں اس نے علی سے پوچھا......

"ہم کہاں جائیں گے......؟"

"ڈریم لینڈ......"

اس کے سوال کے جواب میں علی نے خاصی ترنگ سے کہا تھا...... جب وہ بولی......

"کون سے ڈریم لینڈ...... اور کہاں ہے یہ ڈریم لینڈ......؟"

"کیا تم گھبرا رہی ہو......؟"

"نہیں تو......"

"تو پھر اس طرح سے کیوں پوچھ رہی ہو......؟"

"بس ویسے، تمہیں برا لگا......؟"

"نہیں یار...... لیکن اگر تم مجھ پر اعتبار کا اظہار نہیں کرو گی تو ضرور برا لگے گا مجھے......"

"کب اعتبار نہیں کیا تم پر......؟ اگر اعتبار نہ ہوتا تو کیا آج یوں گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر تمہیں برتھ ڈے وش کرنے آتی......؟"

وہ ذرا سی دکھی اور ناراض ہوئی تھی جب وہ فوراً ہنس کر بات ٹالتے ہوئے بولا......

"اُفّوہ اوکے یار لڑ کیوں رہی ہو......"

"تم موقع دیتے ہو لڑنے کا......"

اس نوک جھونک کا یہ فائدہ ہوا تھا کہ اس کے ذہن میں جو ایچ پیچ ہو رہی تھی اپنے غلط قدم اٹھانے پر، وہ ضرور ختم ہو گئی تھی......

تقریباً بیس پچیس منٹ کی مسافت کے بعد وہ اسے بے حد خوبصورت ایک سجے سجائے گھر کے سامنے لے کر پہنچ گیا تھا......

"واؤ...... یہ اتنا خوبصورت گھر کس کا ہے......؟"

جونہی علی نے بائیک روکی اس نے پوچھ لیا......

"اندر چلو گی تو جان بھی لوگی......"

اس نے کہا تھا اور علیزہ کے چہرے پر گھبراہٹ پھیل گئی تھی......

"نہیں پہلے تم مجھے بتاؤ کس کا گھر ہے اور اندر کون کون ہے؟"

"کوئی نہیں ہے یار، میرا گھر ہے، ابھی پچھلے ہفتے پاپا نے میرے نام کیا ہے، جسے اب میں تمہارے نام کرنا چاہتا ہوں......"

"نہیں...... یہ غلط ہے...... میں تمہیں برتھ ڈے وش کروں گی، لیکن ایسے نہیں......"

قدرے عاجزانہ لہجے میں وہ بولی تھی...... جواب میں علی کے اعصاب تن گئے......

"ایسے نہیں تو کیسے کرو گی......؟"

اس کے سوال کے انداز نے علیزہ کو گھبرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تم مائنڈ کر گئے......؟" دیکھو میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں ہے لیکن تم یہ بھی جانتے ہو ناں کہ مرد اور عورت کے درمیان تنہائی میں تیسرا شیطان ہوتا ہے......"

"شٹ اپ...... یہ بات میرے لیے گھر سے روانہ ہوتے وقت کیوں نہیں سوچی تم نے......؟"

شدید غصے کے زیر اثر وہ کہہ گیا تھا جب وہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب...... کیا تم کسی بُرے ارادے سے مجھے یہاں لائے ہو......؟"

"ہاں......"

"وہاٹ......؟"

اس نے گہری سانس بھر کر "ہاں" کہنے پر علیزہ کی آنکھیں تو جیسے حیرانگی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... "ہوں...... اتنی حیرانی کیوں ہو رہی ہے، اللہ نے جب ہر انسان کے لیے اچھائی اور برائی کے راستے واضح کر دیے ہیں تو اتنی بے خبری کیوں......؟ ہر لڑکی کو پتہ ہوتا ہے جب کوئی لڑکا اس سے تنہائی میں ملنے کی ضد کر رہا ہے تو وہ غلط ہے، پھر بھی لڑکیاں اس سے کنارہ کشی نہیں کرتیں...... جانتی ہو کیوں......؟" کیوں کہ وہ خود تباہ ہونا چاہتی ہیں، ہاں، میں مانتا ہوں کہ میں نے تمہارے سامنے خود کو بہت اچھا بنا کر پیش کیا ہے، تم مجھے بتاؤ دنیا میں کون ہے جو خود کو برا کہتا ہو......؟" کرپٹ سے کرپٹ حکمران ہو، یا بد سے بد شیطان، اپنی نظر، اپنی نگاہ، اپنے الفاظ میں وہ صحیح ہوتے ہیں، وہ دوسرے، پر ڈی پینڈ کرتا ہے کہ وہ اس عقل کا استعمال کرے جس کے تحت اللہ نے تمام اولادِ آدم کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے، تمام مخلوق سے افضل......"

علیزہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

"جتنی پارسائی اور بھولپن کا مظاہرہ تم لڑکیاں کرتی ہو اتنی پارسا اور بے اختیار ہوتی نہیں ہو......"

اس کے لہجے میں تلخی تھی...... علیزہ پھپھک کر رو پڑی......

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم ایسے نکلو گے۔ سب نے مجھ سے کہا کہ تم غلط ہو، مگر میں نے پھر بھی تم پر یقین کیا، سچے دل سے تمہیں چاہا، اور آج اس چاہت، اس دیوانگی اس انتہا کا صلہ مجھے تم سے یہ مل رہا ہے کہ تم مجھے بدکار ٹھہرا رہے ہو......"

اس کے آنسوؤں میں مزید شدت آ گئی۔ علی رضا نے بیزاری سے اس کی طرف دیکھا اور اگلے ہی پل اپنی بائیک پر بیٹھ کر، بناء علیزہ کی پروا کیے، وہاں سے رخصت ہو گیا......

❁

کیا عجیب احتساب اپنا تھا
جان اپنی عذاب اپنا تھا
کچھ ملے لوگ بھی زمانہ ساز
کچھ مقدر خراب اپنا تھا
یہ کہ مخلص تھے ہم محبت میں
جرم بس یہ جناب اپنا تھا
اب کیا اس شخص سے گلہ کرنا
وہ بھی تو انتخاب اپنا تھا

کمرے میں مکمل اندھیرا کیے وہ شدت سے رو رہی تھی...... ایسہ بیگم گھر نہیں تھی...... وہ اسی کے رشتے کے چکر میں لڑکا دیکھنے چھوٹے وصی کو ساتھ لے کر اپنے میکے گئی ہوئی تھیں، لہٰذا پیچھے نہ کوئی اس کا حال دیکھنے والا تھا نہ کوئی سوال پوچھنے والا۔ گھر کے مرد تو صبح کے گئے شام کو گھر لوٹتے تھے لہٰذا اسے اپنی "محبت کی توہین" پر کھل کر رونے کا موقع مل گیا تھا......

پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا اسے کالج سے چھٹی کرتے ہوئے، مگر اس ایک ہفتے میں علی رضا کی طرف سے نہ کوئی کال آئی تھی نہ ایکسکیوز کا پیغام۔ اس کا حال دیکھنے والا تھا۔ تاہم گھر کے کسی فرد پر اس نے اپنا دکھ عیاں ہونے نہیں دیا تھا۔

اس روز نادیہ کالج سے سیدھی اسے ملنے کے لیے اس کے گھر چلی آئی تھی...... جو اس وقت گھر میں اکیلی تھی...... وصی اور رونیزہ سکول گئے تھے۔ جبکہ سعید صاحب اور حسن اپنی شاپ پر...... نادیہ کے لیے دروازہ اسی نے بمشکل اُٹھ کر کھولا تھا......

"تم......؟"

اسے دیکھ کر وہ قدرے حیران ہوئی تھی کیونکہ بہت دن ہوئے تھے نادیہ نے اسے بلانا کم کر دیا تھا۔ گھر سے کالج بھی وہ اب نہ اس کے ساتھ جاتی تھی نہ واپس آتی تھی۔ مگر علیزہ کو پروا نہیں تھی۔ علی رضا کی محبت کے سحر نے اس کی ذات کو بس خود میں ہی جکڑ رکھا تھا۔

نادیہ اس کے سوال پر بڑے پھیکے سے انداز میں مسکرائی تھی......

"ہاں میں...... کیوں تمہارے گھر نہیں آ سکتی......"

"نہیں...... میرا یہ مطلب نہیں تھا...... آؤ بیٹھو......"

"سوری، زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکوں گی، تم پچھلے ایک ہفتے سے بنا بتائے کالج نہیں آ رہیں تو میں نے سوچا ذرا خیر خیریت دریافت کرلوں، تمہیں پتہ تو ہے امتحان سر پر ہیں ایسے میں بنا بتائے اتنی چھٹیاں، کتنی غلط بات ہے......"

صحن میں بچھی چارپائی پر ہی ذرا سا کھسکتے ہوئے اس نے کہا تھا......

علیزہ اس کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ گئی......

"میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی، پچھلے تین روز سے بہت تیز بخار ہو رہا ہے......"

"آنٹی کہاں ہیں......؟"

"وہ...... عمیر کے ساتھ پشاور گئی ہیں......"

"کیوں خیریت......؟"

"ہاں خیریت ہی ہے، تم بتاؤ چائے پیو گی یا ٹھنڈا......؟"

"کچھ نہیں...... تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تم ریسٹ کرو...... میں اب چلتی ہوں......"

وہ شاید عجلت میں تھی۔ علیزہ نے اس کے سرد رویے کی بابت اسے روکنا مناسب نہ سمجھا۔

"ارے ہاں...... ایک بات بتانا تو میں تمہیں بھول ہی گئی، وہ...... لڑکا نہیں تھا، کیا نام ہے اس کا...... ہاں...... علی رضا...... یار ایک ہفتے پہلے بڑا زبردست ایکسیڈنٹ ہوا ہے اس کا، سنا ہے ایک ٹانگ میں تو اتنی شدید چوٹیں آئی ہیں کہ شاید ہی اب اپنے پاؤں پر چل سکے، کہیں اس کا ہی تو صدمہ نہیں لے لیا تم نے......؟"

اس کا لہجہ جاتے جاتے بھی طنز سے خالی نہیں تھا......

علیزہ کے دل میں کئی تیر جیسے ایک ساتھ پیوست ہو گئے......

"نہیں......"

عجیب گومگو کی کیفیت میں اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا تھا، جس پر نادیہ کچھ دیر اس کی طرف دیکھنے کے بعد اسے جلد کالج آنے کی تلقین کرتی تیزی سے باہر نکل گئی......

❁

وہ رُحاب کے گھر سے واپس آئی تو دماغ جیسے بالکل سن ہو رہا تھا اسے رُحاب کی اچانک بدلتی کیفیت کی سمجھ نہیں آ رہی تھی، انہی سوچوں میں کھوئی وہ گھر میں داخل ہوئی تو عمر کے

کمرے سے اس کی بیوی کی پاٹ دار تیز آواز پر وہیں صحن میں ٹھٹھک کر رک گئی!

"میں کچھ نہیں جانتی، میری برداشت کی حد اب ختم ہو چکی ہے، اس گھر میں اب یا وہ رہے گی یا میں......"

"تم بات سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں...... علیزہ کا اس وقت ہمارے سوا کوئی نہیں ہے، کہاں جائے وہ بیچاری......؟"

"جہنم میں جائے میری بلا سے، یہ میرا سر درد نہیں ہے، اور یہ تم جو بات بے بات اس کی سائیڈ لیتے ہو، خوب سمجھتی ہوں میں، جو منحوس اپنے والدین کی نہ ہو سکی، وہ کسی اور کی کیا ہو گی......؟ اب بھی روزانہ نجانے کہاں منہ کالا کرنے جاتی ہے، تم لوگوں نے تو اس کی طرف سے جیسے آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ لی ہے......"

عمر کے منانے پر ثانیہ کا لہجہ اس وقت زہر اگل رہا تھا۔ وہ جیسے وہیں کھڑی زمین میں گڑ گئی۔ درخت سے ٹوٹے پتوں کو زمانے کی ہوا ایسی ہی لوریوں میں رکھتی ہے......

"بس کرو بہو، بہت بول چکی تم، اور بہت برداشت سے کام لے لیا ہم نے، اب اگر علیزہ کے متعلق ایک بھی فضول لفظ تم نے اپنی زبان سے نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا سنا تم نے......"

سائرہ بیگم بھی شاید کمرے میں ہی تھیں!

علیزہ کے آنسو اور شدت سے بہہ نکلے!

"پلیز آنٹی...... آپ ہمارے ذاتی معاملے میں دخل نہ ہی دیں تو بہتر ہے......"

قطعی تلخی سے اس نے سائرہ بیگم کو چپ کروانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

"یہ آپ ہی ہیں جس کی وجہ سے آج تک میرے اور عمر کے درمیان قائم غلط فہمیاں کبھی دور نہیں ہو سکیں، آپ ویسے اتنی نیک بنتی ہیں، اور حقیقت میں دلالوں والے کام کرتی ہیں، کسی کی جوان لڑکی کو کوئی یوں اپنے گھر میں کھلا چھوڑ کر رکھتا ہے، مجھے تو ماڈرن ازم کے بہت طعنے دیتی ہیں وہ آپ کی چہیتی مشرقی ہو کر کتنے گل کھلائے بیٹھی ہے، اس کی طرف سے کیوں آنکھیں بند کر رکھی ہیں آپ نے......"

اس کا لہجہ بے حد گستاخانہ تھا......

سائرہ بیگم بیٹے کے سامنے، بہو کی طرف سے اس عزت افزائی پر ششدر رہ گئیں......

"ثانیہ...... مما کے متعلق فضول بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے......"

عمر شاید اپنا بھرم رکھنے کے لیے دھاڑا تھا، مگر ثانیہ نے اس دھاڑ کو بھی جوتے کی

نوک پر رکھا......

"شٹ اپ......سارے آداب مجھے سکھانے کی بجائے، کچھ سبق اپنی ماں کو بھی پڑھا دیا کریں، جو جان بوجھ کر ہماری راہیں جدا کرنے کے خواب دیکھ رہی ہیں......"

اسے جیسے نہ کسی کا ڈر تھا نہ خوف۔ سائرہ بیگم آنسو بھری نگاہوں میں اپنی بے عزتی کا کرب لیتے ان کے کمرے سے باہر چلی آئیں!

علیزہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ یوں اچانک کمرے سے باہر نکل آئیں گی ورنہ شاید وہ فوری طور پر خود کو سنبھال ہی لیتی۔ اندر کمرے میں عمراب تنہا ثانیہ سے اُلجھ رہا تھا جبکہ کمرے سے باہر سائرہ بیگم صحن میں بت بن کر کھڑی علیزہ کو دیکھ کر جیسے مزید شرمندہ ہو گئیں......

"علیزہ......"

ان کی پکار پر وہ ٹرانس کی کیفیت سے باہر نکلی تھی!

"جی......جی آنٹی......"

نم آنکھوں کو بے دردی سے رگڑتے ہوئے اس نے اپنا بھرم رکھنا چاہا تھا، مگر ناکام رہی۔ سائرہ بیگم چپ چاپ اپنے کمرے میں آئیں تو وہ بھی ان کے پیچھے ہی چلی آئی......

"مجھے معاف کر دے بیٹی......میرے گھر میں بھی تیرے لیے امان نہیں ہے......"

آبدیدہ لہجے میں کرب سے کہتے ہوئے وہ رو پڑی تھیں جب علیزہ ان کے قدموں میں جا کر بیٹھ گئی......

"نہیں آنٹی......پلیز ایسے مت کہیں، آپ تو میری ماں ہیں......"

ماں کے لفظ کی ادائیگی پر اس کا دل جیسے کسی تیز دھار چھری سے کاٹ ڈالا تھا......

سائرہ بیگم اپنے لب کاٹ کر رہ گئیں......

"مجھ جیسی نفس کی غلام لڑکیوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے، جو صرف اپنا سوچتی ہیں، محبت کے کاغذی پھولوں سے، حقیقی خوشبو حاصل کرنے کے خواب دیکھتی ہیں، سرعام ماں باپ کی عزت کا جنازہ نکالتی ہیں، سزا تو ملنی چاہیے آنٹی، بنت حوا کو ابن آدم پر اعتبار کی سزا تو ملنی چاہیے......"

اس کا لہجہ سخت رنجیدہ تھا۔ سائرہ بیگم نے کرب سے آنکھیں موند لیں!

......❁......

لمحہ بھر اپنا ہواؤں کو بنانے والے!!!
اب نہ آئیں گے پلٹ کر کبھی جانے والے
کیا ملے گا تجھے بکھرے ہوئے خوابوں کے سوا
ریت پر چاند کی تصویر بنانے والے
سب نے پہنا تھا بڑے شوق سے کاغذ کا لباس
جس قدر لوگ تھے بارش میں نہانے والے
مر گئے تو یہ کتبے پہ لکھا جائے گا
سو گئے خود وہ زمانے کو جگانے والے
در و دیوار پہ حسرت سی برستی ہے قتیل
جانے کس دیس گئے پیار نبھانے والے

بیڈ پر اوندھے منہ پڑی وہ سسک رہی تھی اور اسے یاد آ رہا تھا کہ جب وہ بیاہ کر "احمد ولاج" گئی تھی تو وہاں کس شان سے اس کا استقبال ہوا تھا۔ ہزاروں خواب تھے جو وہ آنکھوں میں سجا کر بابل کی دہلیز پار کر کے اس نئے گھر میں آئی تھی......

اس نے سوچا تھا وہ اپنی سلیقہ شعاری، محنت اور محبت سے اس گھر کو جنت بنا دے گی مگر اس کی سوچیں صرف سوچوں تک ہی محدود رہیں......شادی کی پہلی رات ہی اس گھر میں اس کا مقام متعین کر گئی تھی......

رات بھر شہزادیوں سا روپ لیے وہ اپنے مجازی خدا کی آمد کے انتظار میں بیٹھی رہی اور رات بھر اس کا یہ انتظار فقط انتظار ہی رہا، پہاڑ جیسی لمبی رات کا ایک ایک پل آنکھوں میں کاٹ کر صبح بے حد دکھی دل کے ساتھ وہ نماز کی نیت سے اٹھی تو اس کے کمرے کا دروازہ کھلا

اوراس کا مجازی خدا کمرے میں داخل ہوا......

رُحاب دیکھ سکتی تھی کہ اس کا چہرہ بے حد سپاٹ تھا۔ دلہوں جیسی کوئی بات ہی نہیں تھی اس میں وہ پلٹ کر یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی جب وہ تھکے تھکے سے انداز میں صوفے پر تقریباً گرتے ہوئے بولا......

''ایم سوری......رات میرے عزیز دوست کا گھر واپس جاتے ہوئے بہت شدید ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا اسی لیے ساری رات اس کے ساتھ ہوسپٹل میں گزر گئی، تم نے مائینڈ تو نہیں کیا ناں؟'' وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے جانے ان دونوں کے بیچ کتنی شناسائی ہو اور ان کی شادی کو کتنا عرصہ ہوگیا ہو......رحاب غصے سے خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی......

''نہیں......ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں مائینڈ نہیں کرتی میں......''

اس کے لہجے میں تلخی تھی جسے محسوس کیے بغیر وہ ریلکس انداز میں بولا......

''گڈ، لڑکیوں میں برداشت کا مادہ ہونا چاہیے، میں شاور لے لوں، پھر ریسٹ کروں گا، تم چاہو تو باہر گھر والوں کے ساتھ بیٹھ سکتی ہو......''

وہ شخص اذیت دینے میں ماہر تھا۔ رحاب محض دکھ سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ اس شخص نے سرسری نگاہ سے بھی اس کے حسین سراپے کو نگاہوں میں بھرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ پلٹی تھی اور نوچ نوچ کر اپنا زیور اتارنا شروع کر دیا تھا......

سارب نے محض سرسری نگاہ سے اس کی طرف دیکھا اور پھر واش روم میں گھس گیا...... رحاب کی آنکھیں اس لمحے آنسوؤں سے بھری تھیں۔ رات بھر بے مقصد جاگنے کے باعث سر بے حد بھاری ہو رہا تھا اور آنکھوں میں جیسے کسی نے ریت بھر دی تھی۔ سارب کے شاور لینے تک وہ بے آواز روتی رہی۔

کتنے بہت سارے خواب تھے جو اس نے محض اس شادی کے لیے قربان کر ڈالے تھے......وہ آگے پڑھنا چاہتی تھی مگر صرف اس شادی کے لیے اس نے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ دی اسے جاب کرنے کا کریز تھا، اپنی پہلی تنخواہ سے ڈھیری ساری شاپنگ کرنا اس کا خواب تھا مگر اس نے یہ خواب بھی سارب علی ہمدانی پر قربان کر دیا...... کتنی دعائیں مانگی تھیں اس نے اس شخص کو پانے کے لیے مگر......ان دعاؤں کا حاصل کیا رہا تھا...... بظاہر بے حد، خوبصورت نظر آنے والے اس شخص نے محض سرسری نگاہ سے بھی نہ اس کا جائزہ لیا تھا نہ اپنی کوتاہی کی ایسی وضاحت کی تھی کہ وہ اس خطا کے لیے اسے معاف کر دیتی......

پہلی بار سارب علی ہمدانی کو اس نے اپنے بھائی کے آفس میں دیکھا تھا اور ان دنوں اس کی فیملی دوبئی میں سیٹل تھی......پہلی نظر میں ہی وہ اسے بے حد اچھا لگا تھا......بعد میں اپنے بھائی سے ہی اسے یہ پتہ چلا تھا کہ وہ دوبئی کی بڑی فرم میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہے اور یہ بھی کہ ذہانت اور ٹیلنٹ اس بندے پر ختم ہے......

وہ تو اس کا ظاہری رنگ روپ دیکھ کر ہی اس سے مرعوب ہوگئی تھی اب جو اس کی شان میں اپنے قصیدے سنے تو اور فین ہوگئی اس کی......اس کے بعد گاہے بگاہے آفس کے چکر لگانا اور اسے دیکھنا جیسے اس کا معمول بن گیا......پورے چار سال تک یہ تعلق یونہی چلتا رہا تھا......ان چار سالوں میں رحاب کبھی اتنی ہمت نہ کر سکی کہ سارب سے ڈائریکٹ کوئی بات کر سکے۔ وہ اس کے بھائی سے کئی بار اس کی موجودگی میں بھی ملتا اور وہ بس قریب بیٹھی پرشوق نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہتی...... چار سال بعد اچانک اس کے بھائی نے مستقل پاکستان شفٹ ہونے کا پکا ارادہ کیا تو اسے پتہ چلا کہ وہ تو سارب علی کی محبت میں بُری طرح گرفتار ہے......

جس روز وہ دوبئی ایئرپورٹ سے پاکستان کے لیے روانہ ہو رہی تھی اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں...... اس موقع پر بھی سارب انہیں سی آف کرنے ایئرپورٹ آیا تھا......اور اس نے اس کے بھائی سے مصافحہ کرتے وقت بہت گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا بھی تھا......اور بس اس کی اسی ادا نے رحاب کو خوش فہمی میں مبتلا کیا تھا کہ وہ بھی اس میں دلچسپی رکھتا ہے۔ اسی احساس کے زیر اثر دوبئی سے پاکستان کا سفر اس کے لیے سہل ہو گیا تھا...... پاکستان آکر ہفتوں اس کی طبیعت ملول رہی، گو اس کا بھائی اب بھی دوبئی میں تھا اسے اس کی کمی محسوس ہوتی تھی مگر اس سے زیادہ وہ سارب علی ہمدانی کو مس کرتی تھی......

یہاں آکر یوں تو دوبارہ تعلیم میں مگن ہونے کے باعث وہ مصروف ہوگئی تھی مگر رات میں بستر پر لیٹتے وقت کسی کا خوبصورت سراپا ضرور اس کی نگاہوں میں سما جاتا تھا۔ دن یونہی بے کل گزر رہے تھے کہ ایک روز اسے یہ خوشخبری ملی کہ سارب علی ہمدانی کی فیملی پاکستان شفٹ ہوگئی ہے۔ یہ سرپرائز اس کے لیے کسی طور عید سے کم نہیں تھا...... گو سارب دوبئی میں ہی تھا مگر پھر بھی اس کے دل کو تسلی مل گئی تھی کہ وہ لوٹ کر یہیں آئے گا......اب سارب کی بھابھی کبھی کبھار ان کے ہاں آجاتی۔

آہستہ آہستہ دونوں میں آنا جانا بڑھا تو سارب کی سوبر سی بھابھی کا دل بھی رحاب پر ٹک گیا......سادہ سی طبیعت کی مالک وہ نٹ کھٹ سی لڑکی انہیں اس قدر اچھی لگی کہ چٹ منگنی

پٹ بیاہ والا کام ہوا۔رحاب حیران تھی کہ کیا دعائیں یوں بھی مستجاب ہوجاتی ہیں مگر اب ......انہی دعاؤں کی قبولیت نے اسے آنسوؤں کے نذرانے سونپ دیے تھے اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اگر وہ اس شخص کی پسند نہیں تھی تو اس نے چپ چاپ شادی کیوں کروالی اس سے؟ دل تھا کہ جیسے کٹ کٹ کرگر رہا تھا۔کتنا مشکل ہوتا ہے ایک ایسے شخص کے ہاتھوں اذیت سیٹنا جسے آپ نے رورو کر دعاؤں میں مانگا ہوا!

❁

اعتبار مت کرنا
چاند کی اداسی کا،منزلوں کی قربت کا
درد کی جدائی کا، بےکلی کی فرقت کا
چاہتوں میں خوشبو کا
راستے میں خوشیوں کا
راستے میں لوگوں کا
پیار کے مسافر کا ہجر کے بہانے کا
اعتبار مت کرنا
آنسوؤں کے بہنے کا، عمر بھر زمانے کا
اعتبار مت کرنا......اعتبار مت کرنا

''کیا ہو رہا ہے؟''

وہ اپنا مختصر سا سامان پیک کررہی تھی جب عمر بنا کوئی آہٹ پیدا کیے اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہوگیا......اس کے حلیے کی مانند اس کا لہجہ بھی شکستہ ہو رہا تھا......وہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھے بغیر اپنا کام کرتی رہی......

''میں نے کچھ پوچھا ہے علیزہ......''

عمر شاہد اس کی خاموشی سے ہرٹ ہوا تھا۔

وہ پلٹی اور ایک سرسری نگاہ اس کے نڈھال سراپے پر ڈالنے کے بعد دوبارہ رخ پھیر گئی......

''میں جارہی ہوں عمر......''

''وہاٹ......مگر کہاں......؟''

عمر کو شاید اس سے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی،تبھی تیزی سے لپک کر اس کے قریب آیا تھا علیزہ کام سے ہاتھ روک کر بیڈ پر اس کے مقابل بیٹھ گئی......

''اللہ کی زمین بہت بڑی ہے،کہیں نہ کہیں تو ٹھکانہ مل ہی جائے گا،ابھی یہاں سے فی الحال اپنی دوست رحاب کی طرف جاؤں گی،پھر وہاں سے اسی کے ساتھ،شاید کسی اکیڈمی سینٹر میں شفٹ ہوجاؤں یا ہوسکتا ہے جاب مل جائے تو کسی ہوسٹل وغیرہ میں پناہ لےلوں......''

اس نے کچھ بھی عمر سے چھپانا مناسب نہ سمجھا......

جواب میں وہ مچل کر اس کے قدموں میں ایڑھیوں کے بل بیٹھ گیا......

''کیوں علیزہ......؟''

اس کے سوال پر علیزہ نے یوں نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا جیسے اس کی عقل پر ماتم کرنا چاہ رہی ہو......

''......کیوں......؟ابھی کل میری وجہ سے تمہارے گھر جو ہنگامہ ہوا ہے......کیا وہ وجہ کافی نہیں ہے عمر......؟''

اس کے لہجے میں افسردگی اور ٹھہراؤ تھا......

عمر [illegible]ب سے انداز میں سر جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا......

''یہ ہنگامے تو روز کا معمول ہیں علیزہ،اس عورت کی فطرت میں درج ہے کہ وہ کسی کے ساتھ سکون سے نہیں رہ سکتی،پھر کیوں اثر لیتی ہو اس کی فضول بکواس کا......''

اس کے جھنجلاہٹ بھرے لہجے پر علیزہ کے لب پھیکے سے انداز میں مسکرا دیے......

''میں بدکردار ہوں،مگر بے عزت نہیں ہوں عمر......''

''شٹ اپ......''

اس کے تپ جانے پر وہ پھر مسکرائی تھی......

''میں جانتی ہوں تم مجھ سے مخلص ہو،مگر ایسی مخلصی کا کیا فائدہ عمر،جو آپ کی عزت کو تحفظ نہ دے سکے،میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تمہاری اور ثانیہ کی زندگی میں کوئی طوفان آئے میں برداشت نہیں کرسکتی،خدا گواہ ہے میں اس گھر میں صرف عزت اور پناہ کے لیے آئی تھی،میری وجہ سے یہاں کچھ برا ہو،ایسا قطعی ارادہ نہیں تھا میرا،تم بہت اچھے ہو عمر......مگر......مگر......میری تقدیر اتنی اچھی نہیں ہے......''

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ کمزور پڑ گیا تھا......

عمر پشیمانی سے سرد آہ بھرتا رخ پھیر گیا......

"میں تمہیں دربدر خوار ہوتے نہیں دیکھ سکتا علیزہ......"

"جانتی ہوں......اسی لیے سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھاؤں گی......"

وہ پُرخلوص سے مسکرائی تھی۔تبھی وہ کچھ سوچتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا......

"ایک سوال پوچھوں علیزہ......؟"

"ہوں......"

وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی......

عمر نے اپنے دونوں ہاتھ ٹراؤزر کی پاکٹس میں گھسا لیے......

"علیزہ......کیا تم مجھ سے سیکنڈ میرج کر سکتی ہو......؟"

سوال کیا تھا شاید علیزہ کے ری ایکشن کا امتحان تھا۔وہ کتنی دیر اس سوال پر عمر کے منہ کی طرف دیکھتی رہی تھی......

"کیا......کیا کہا تم نے......؟"

"بہت مشکل یا انوکھا سوال تو نہیں کیا......"

"ہاں......تمہارے لیے نہیں ہوگا،مگر میرے لیے اس سے زیادہ مضحکہ خیز سوال کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا......"

علیزہ کا لہجہ تلخی سے پُر تھا......

عمر تڑپ اُٹھا......

"کیا کہہ رہی ہو علیزہ......؟"

"صحیح کہہ رہی ہوں،یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم اپنی بیوی سے بے حد محبت کرتے ہو اور کسی صورت اس کی شان میں گستاخی کے مرتکب نہیں ہو سکتے،میں تم سے شادی کا سوچوں تو مجھ سے بڑھ کر احمق کون ہوگا،معاف کرنا عمر،مگر یہ حقیقت ہے،عورت اگر بار بار مرد کے ہاتھ میں کھلونا بنتی ہے تو اس کا واحد سبب اس کی کم عقلی کے ساتھ ساتھ محبت کا لالچ بھی ہے۔محبت وہ واحد ہتھیار ہے،جس کا سہارا لے کر ازل سے ابد تک مرد عورت کو......شکست دیتا رہا ہے۔ازل سے ابد تک۔

عورت خوار ہوتی رہی ہے اور خوار ہوتی رہے گی،عورت اگر مچھلی ہے تو محبت پانی

ہے اس کے لیے،اور یہ پانی اسے ملتا ہے تب بھی وہ تڑپتی ہے۔جب نہیں ملتا تب بھی تڑپتی رہتی ہے......"

اس لمحے اس کی آنکھیں جیسے جل رہی تھیں......

عمر کے لبوں کو چپ لگ گئی......

"کچھ معاملات خواہ کتنے ہی آسان کیوں نہ معلوم ہوں،ہمیشہ اختیار سے باہر ہوتے ہیں علیزہ......"

بہت دھیمے لہجے میں کہہ کر اس نے کچھ پل علیزہ کی طرف دیکھا،پھر گہری سانس بھر کر اس کے کمرے کی دہلیز عبور کر گیا......

❁

آ کے لے جائے میری آنکھ کا پانی مجھ سے
کیوں حسد کرتی ہے دریا کی روانی مجھ سے
گوشت ناخن سے الگ کر کے دکھایا میں نے
اس نے پوچھے تھے جدائی کے معنی مجھ سے
تیری خوشبو کی لحد پر میں بڑا تنہا تھا
رو پڑی مل کے گلے رات کی رانی مجھ سے
ختم ہونے لگا جب خون بھی اشکوں کی طرح
کر گئے خواب میرے نقل مکانی مجھ سے
صرف اک شخص کے غم میں مجھے برباد نہ کر
روز روتے ہوئے کہتی ہے جوانی مجھ سے

وہ ہوسپٹل میں ایڈمٹ تھا اور ادھر علیزہ کے دل کی ساری بدگمانیاں،سارا دکھ جیسے اس کے لیے آنسوؤں میں بہہ گیا تھا......محبت اگر انسان کو خوار کرتی ہے تو وہ اس کے لیے خوار ہو گئی تھی۔محبت اگر خودداری کے خاتمے کا نام ہے تو علیزہ سعید کی خودداری بھی کہیں منہ لپیٹ کر جا سوئی تھی......

اسے بھول گیا تھا کہ ابھی چند روز پہلے اس شخص نے کس بیدردی سے اس کی محبت کی توہین کرتے ہوئے اس کے پاکیزہ احساسات کا گلا گھونٹا تھا......محبت کے میدان میں یہ دوسری ٹھوکر تھی اس کے لیے مگر اب اس کا دل جیسے باغی ہو گیا تھا......

ایک مرتبہ پھر اسی دل کی بغاوت سے مجبور ہو کر، وہ بنا کسی کو کچھ بتائے چوری ہوسٹل میں علی رضا کو دیکھنے آئی تھی مگر وہاں پہنچنے پر اسے پتہ چلا کہ وہ اپنے گھر شفٹ ہو چکا ہے اور اس کے اندر پھر سے مایوسی پھیل گئی تھی......

اسکی یہ سوچ ہی نہیں، یقین بھی تھا کہ وہ اپنی محبت کی شدت سے علی کا دل بدل سکتی ہے۔اس کی نگاہ میں محبت ایسا ہتھیار تھی جسے ہاتھ میں لے کر کوئی بھی جنگ جیتی جا سکتی ہے.... کسی بھی پتھر کو موم کیا جا سکتا ہے اور اسے اپنے جذبوں پر کامل یقین تھا!

پورے ڈیڑھ ہفتہ کے بعد اس روز وہ کالج آئی تو جیسے علی کے بغیر کالج کا ہر گوشہ ویران تھا......اس کی آنکھیں بے اختیار ہی اسے یاد کر کے چھلک اٹھیں......

"السلام علیکم......"

وہ سر جھکائے رونے میں مصروف تھی جب کسی کے بلا تکلف سلام کرنے پر چونک کر سر اوپر اٹھایا......نگاہ سے کچھ ہی فاصلے پر ایک نازک سی لڑکی کھڑی، اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھی......

"وعلیکم السلام......"

لڑکی طرف بنا پلک جھپکائے دیکھتے ہوئے اس نے بمشکل جواب دیا تھا۔

"اگر آپ اعتراض نہ کریں تو کیا میں یہاں کچھ دیر کے لیے آپ کے پاس بیٹھ سکتی ہوں......"

لڑکی کے سوال پر اس کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا تھا......

"تھینکس......میرا نام میمونہ ہے، پیار سے سب مجھے مون کہتے ہیں، آپ بھی یہی کہہ سکتی ہیں بوقت ضرورت......"

علیزہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس لڑکی نے بطور خاص اسے ہی کیوں ڈسٹرب کیا تھا اور یہ بھی کہ وہ اسے اپنے بارے میں یوں فری اسٹائل سے کیوں بتا رہی تھی......

"او کے......مگر آپ مجھے یہ سب کیوں بتا رہی ہیں......؟"

بالآخر اس نے اپنی حیرانی دور کرتے ہوئے پوچھ ہی لیا تھا......

وہ لڑکی اس کے سوال پر پھر دھیمے سے انداز میں مسکرائی تھی......

"لگتا ہے آپ کنفیوژ ہو رہی ہیں۔اصل میں مجھے آپ سے علی رضا کے متعلق کچھ بات کرنا تھی......" "میں کزن ہوں اس کی، بلکہ فرسٹ کزن......"

بنا کوئی تمہید باندھے اس نے فوری اپنا نقطہ نظر مدعا بیان کر دیا تھا......

علیزہ اس کے جواب پر پھر حیران رہ گئی......

"علی رضا کے بارے میں......مگر کیا......؟"

❁

اس کے سوال پر علی کی کزن نے ذرا سا نظروں کا رخ پھیرتے ہوئے جواب دیا تھا۔ وہ معصومیت سے یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔

"کیا بتانا ہے علی کے بارے میں؟"

"بہت کچھ ......اس کا فیملی بیک گراؤنڈ، اس کی ہابیز، اس کی پسند ناپسند، سب کچھ......پھر اس کے بعد تم فیصلہ کرنا کہ کیا تمہیں واقعی اس سے محبت کرنی چاہیے یا نہیں؟"

میمونہ کا لہجہ اب بھی تجسس سے پُر تھا۔

علیزہ نے آہستہ سے اپنا سر جھکا لیا۔

"میں جانتی ہوں آپ مجھے کیا بتانا چاہتی ہیں، یہی ناں کہ اچھا لڑکا نہیں ہے...... لیکن مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا......وہ اچھا ہے یا برا، میری محبت اس کی فطرت سے مشروط نہیں ہے......"

علی کے بارے میں بات کرتے ہوئے خود بخود ہی اس کا لہجہ خشک ہو گیا تھا۔علیزہ کے سامنے بیٹھی علی کی کزن اس کے الفاظ پر بھی مسکرا اٹھی۔

"جن لڑکیوں کا کوئی کردار نہیں ہوتا، ان کی سوچ ایسی ہوتی ہے......"

"شٹ اپ......"

"میرے چپ ہو جانے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی......"

"کہنا کیا چاہتی ہو تم......"

علیزہ کا دماغ اچھا خاصا تپ گیا تھا لہٰذا آپ سے تم کا فرق بھی مٹ گیا۔

"کہنا تو بہت کچھ چاہتی ہوں یار لیکن تم سننے پر رضا مند ہی نہیں ہو......"

بلا کی پر اعتماد اور باضبط لڑکی تھی۔

علیزہ نے اپنی آنکھیں اس کے چہرے پر لگا دیں۔

"کہو کیا کہنا ہے تمہیں؟"

"علی کے بارے میں کیا جانتی ہو؟"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میمونہ نے اس سے پوچھا تھا، جب وہ بولی۔

"کچھ نہیں......سوائے اس کے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں......"

"لیکن وہ تم سے محبت نہیں کرتا......"

"آئی ڈونٹ کیئر......میں لین دین کی محبت کی قائل نہیں......"

"وہ تمہیں کبھی عزت بھی نہیں دے گا علیزہ......"

"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟"

اب کے اس نے ترچھی نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھی اس خوبصورت سی لڑکی کی طرف دیکھا تھا۔

"اس لیے......کیونکہ......کبھی اس سے محبت کے سفر میں، میں بھی انہی راستوں پر گامزن تھی......جن پر اب تم پاپیادہ چل رہی ہو، یہ رائیگاں سفر تھکن کے سوا اور کچھ نہیں دیتا......علیزہ......مجھ سے پوچھو میں نے کیسے عذاب لمحوں کی اذیت اٹھائی ہے......کتنی ایسی راتیں اس کی، اسی کے خاندان کا حصہ، تمہیں تو یہ رعایت بھی حاصل نہیں......"

اس کا لہجہ دھیما تھا۔

علیزہ کے لبوں پر آپ ہی آپ تلخ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"تو تم مجھے اس لیے اس بدظن کرنا چاہتی ہو کہ وہ تمہیں نہیں ملا تو مجھے بھی نہ ملے......"

"نہیں......خدا جانتا ہے، میری ایسی کوئی سوچ نہیں ہے، آج سے چند روز پہلے تو میں تمہارے بارے میں جانتی بھی نہیں تھی، وہ تو علی کے حادثے کے بعد اس کے سیل پر تمہارے میسج پڑھے اور فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور تمہاری ریکارڈ کالز سنیں تو اس کہانی کا پتہ چلا......یہاں آ کر کوئی بیس لوگوں سے تمہارا پوچھا، تب کہیں جا کر تم ملی ہو......مجھے غلط مت سمجھنا علیزہ......میں تمہاری ویل وشر ہوں......"

اس کے لہجہ میں خلوص تھا۔ کتنی ہی دیر بنا پلک جھپکائے اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

"تم نہیں جانتی علیزہ، اس کی پرورش اچھے ماحول میں نہیں ہوئی ہے......محض دو سال کا تھا جب اس کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے فقط چند ماہ کے بعد انکل نے دوسری شادی میری پھوپھو سے کر لی، تم انہیں دیکھو ناں علیزہ تو کبھی جان نہ پاؤ کہ وہ علی کی سگی مما نہیں ہیں، مگر اس کے باوجود وہ ان کی عزت نہیں کرتا......بچپن سے ہاسٹل وغیرہ کے ماحول میں پلنے

بڑھنے سے اسے رشتوں کی قدر و اہمیت کا احساس بھی نہیں ہے......وہ صرف عیاشی کرنا جانتا ہے، آئے روز نت نئی لڑکیوں کو اپنے چکر میں پھنسانا اور بدنام کر کے چھوڑ دینا، یہی ہابی ہے اس کی......تم اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو......تمہیں چاہئے کہ تم عقل سے کام لے کر کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤ جس کا براہ راست اثر تمہاری تمام زندگی پر پڑے......"

بہت ہی مناسب الفاظ میں میمونہ اسے سمجھا رہی تھی اور وہ سر جھکائے جانے کیا کیا سوچتے ہوئے چپ چاپ رونا شروع ہو گئی تھی۔

❀

اس نے عمر کا گھر چھوڑ دیا۔

زندگی ایک مرتبہ پھر نئے امتحان کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی چیلنجنگ انداز میں مسکرا رہی تھی۔ عمر کا گھر چھوڑنے کے بعد اس نے رحاب کے اصرار پر اسی کے گھر میں پڑاؤ ڈال لیا تھا۔ جس پر بیسہ بیگم قطعی ناخوش تھیں......وہ گہری نیند لے کر اٹھی تو اس کے سیل پر ان کی کال آ گئی۔

"السلام علیکم امی! کیسی ہیں آپ؟"

"تیرے جیتے جی کیسی ہو سکتی ہوں......؟"

ان کا لہجہ ناراضی سے پُر تھا۔

علیزہ کے لبوں کی مسکراہٹ پل میں معدوم ہو گئی۔

"کیوں......اب کیا کیا میں نے؟"

"عمر کا گھر کیوں چھوڑ آئیں......عزت راس کیوں نہیں آتی تمہیں؟"

"وہاں عزت نہیں مل رہی تھی امی......اور بے عزتی اب مزید مجھ سے برداشت نہیں ہوتی......"

"چپ کر تو......ہمیشہ اپنی کرتی آئی ہے، دل کو ذرا سا اطمینان تھا کہ چلو کسی اپنے کے پاس محفوظ ہے مگر وہ اطمینان بھی نہیں رہنے دیا تو نے، دربدری کی عادت پڑ چکی ہے تمہیں......اب پتہ نہیں کیسے لوگ ہوں گے جن کے پاس بوریا بستر اٹھائے چلی آئی ہے......"

ان کے غصے کا گراف کسی طور پر نیچے نہیں آ رہا تھا۔ علیزہ کے لب پھر پھیکے سے انداز میں مسکرا دیے۔

"اچھے لوگ ہیں امی، بہت اچھی دوست ہے میری جس کے پاس رہ رہی ہوں......

آپ فکر نہ کریں......"

مگر ہیبہ بیگم نے اس کی تسلی کا کوئی جواب دیے بغیر کھٹاک سے فون بند کر دیا۔

"یہ مائیں بھی بس......"

مسکرا کر سیل فون کو دیکھتے ہوئے اس نے بالآخر بستر چھوڑ دیا تبھی کسی کی بھاری پاٹ دار آواز کانوں میں پڑی۔

"رحاب! تم ایک نمبر کی کاہل، کام چور، ہڈ حرام لڑکی ہو...... اچھا بھلا شام میں یاد بھی دلایا تھا کہ صبح جلدی گھر سے نکلنا ہے، مگر مجال ہے جو تم نے میرا سوٹ پریس کر کے رکھا ہو......"

وہ کمرے سے باہر آئی تو رحاب کی منمناہٹ سنائی دی۔

"سوری بھائی اوہ میں ٹی وی میں لگی تھی تو بالکل ہی ذہن سے نکل گیا، اگین سوری سوری...... میں کچن سے فارغ ہوتے ہی ابھی کر دیتی ہوں......"

رہنے دو، خود ہی کر لوں گا میں......"

نروٹھے لہجہ میں کہہ کر وہ پلٹا تھا کہ علیزہ سامنے آ گئی۔

"السلام علیکم"

گڑبڑا کر فوراً اس نے سلام جھاڑ دیا تھا۔ جب وہ فوراً اس کے چہرے سے نگاہ چراتے ہوئے سر کے اشارے سے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔

"آؤ علیزہ! میں تمہیں اٹھانے آ ہی رہی تھی......"

رحاب کی نگاہ جونہی اس پر پڑی، وہ خوشدلی سے مسکرادی۔

"خیریت ہے شور کیوں ہو رہا تھا؟"

وہ نپے تلے قدم اٹھا کر کچن میں اس کے قریب ہی چلی آئی۔ تبھی رحاب پھر مسکرادی۔

"میرا بھائی یار بیچارہ سخت عاجز آیا ہوا ہے مجھ سے...... مجال ہے جو ان کا کوئی بھی کام وقت پر ہو جائے مجھ سے......"

"تم شروع سے ایسی ہی ہو، آنٹی کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہوں گی، تم سناؤ میرے غریب خانے میں پہلی شب کیسی بسر ہوئی؟"

"بہت اچھی...... لیکن میں زیادہ دن تم پر بوجھ بن کر نہیں رہ سکتی رحاب...... بہتر ہے کہ ہم دونوں چل کر کوئی مناسب سے کرائے والا ہوٹل دیکھ لیں......"

"چپ...... دوبارہ ایسی کوئی فضول بات سوچی بھی تم نے تو مجھ سے برا کوئی نہیں

ہوگا......"

رحاب کو اس کی بات ناگوار گزری تھی۔

وہ چاہنے کے باوجود احتجاج نہیں کر سکی۔

"کوئی بوجھ نہیں ہو تم مجھ پر...... اس شاندار گھر کی دیواریں آوازوں کے شور کو ترسی ہوئی ہیں علیزہ...... یہاں میرے بھائی اور مما کے علاوہ اور ہے ہی کون، جس کے لیے تمہاری یہاں موجودگی تکلیف کا باعث ہے گی...... بولو......؟"

کپوں میں چائے انڈیلتے ہوئے وہ اس سے مخاطب ضرور تھی مگر اس کی مکمل توجہ چائے کی طرف ہی تھی۔ علیزہ نے چپ چاپ باہر روڈ کی جانب کھلی کھڑکی سے باہر جھانکنا شروع کر دیا۔

"ناراض مت ہونا پلیز، اس وقت میں ذرا جلدی میں ہوں...... آفس سے واپس آ کر دماغ صاف کروں گی تمہارا...... تب تک تم چاہو تو ٹی وی انجوائے کر سکتی ہو...... یا پھر گھومنا پھرنا چاہو تو گھوم پھر بھی سکتی ہو......"

اس کے ہاتھ جس تیزی سے چل رہے تھے علیزہ اس کی مصروفیت کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ تبھی چپ چاپ اثبات میں سر ہلا کر اس کے ہاتھ سے گرما گرم چائے کا کپ تھام لیا۔

❁

حرف رنجش پہ کوئی بھی ہو سکتی ہے
عین ممکن ہے ملاقات بھی ہو سکتی ہے
زندگی پھول ہے خوشبو ہے مگر یاد رہے
زندگی گردش حالات بھی ہو سکتی ہے
ہم نے یہ سوچ کے رکھا تھا قدم گلشن میں
لالہ و گل میں تیری ذات بھی ہو سکتی ہے
چلچلاتے ہوئے شطرنج کی بازی کے اصول
بھول جاؤ گے تو پھر مات بھی ہو سکتی ہے
ایک تو چھت کے بنا گھر سے ہمارا منظر
اس پہ یہ خوف کہ برسات بھی ہو سکتی ہے

جلدی جلدی سارے کام نپٹا کر وہ گھر سے واپس آئی تو ذہن ایک مرتبہ پھر بے حد ڈسٹرب تھا۔ اس کی گاڑی سگنل پر رکی تھی اور تبھی اپنی گاڑی کے برابر میں اس نے سارب علی

ہمدانی کی گاڑی کو رکتے دیکھا تھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس کی نظریں سامنے روڈ پر تھیں مگر رحاب چاہنے کے باوجود اپنی نظروں کو اس سراپے سے ہٹانے کی ہمت نہ کر سکی۔ اس کا سیل ڈیش بورڈ پر پڑا بج رہا تھا۔ سکرین پر علیزہ کا نام جگمگا رہا تھا، مگر وہ اس کی کال پک نہ کر سکی۔ سامنے روڈ پر گاڑیاں گرین سگنل آن ہوتے ہی پھر بھاگنا شروع ہو گئی تھیں مگر وہ کتنی ہی دیر وہیں رکی رہی۔ اس وقت دماغ کے ساتھ ساتھ جیسے دل نے بھی اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ آفس جانے کی بجائے لانگ ڈرائیو پر نکل گئی۔ گو فضاء میں اب بھی خنکی تھی۔ ہلکی ہلکی دھند بھی دیکھنے کو مل رہی تھی، مگر وہ ہر چیز سے بے نیاز گاڑی بھگاتی رہی۔

اس کا سیل اب بج بج کر خود ہی آف ہو گیا تھا۔

اسٹیئرنگ پر جمے اس کے ہاتھ آہستہ آہستہ کپکپا رہے تھے۔ اسے اب بھی یاد تھا کہ شادی کی پہلی شب کی صبح اس کے لیے کتنی اذیت ناک تھی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر کس گناہ کی سزا جھیل رہی ہے؟

سارب شاور لینے کے بعد کچھ دیر سنگھار ٹیبل کے سامنے کھڑا تیار ہوتا رہا، پھر اچھی طرح پرفیوم کا چھڑکاؤ کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

رحاب کی آنکھیں رات بھر جاگنے کے باعث سرخ ہو رہی تھیں، اعصاب بھی بوجھل محسوس ہو رہے تھے، مگر اس کے باوجود اسے اپنا بھرم رکھنے کے لیے اُٹھ کر شاور لینا پڑا تھا۔ وہ دن اس کا بے حد مصروف گزرا تھا۔ شام گئے تک اپنے سسرالی رشتہ داروں کے درمیان گھری وہ مختلف رسومات کا نشانہ بنی رہی تھی، اور اس کے پہلو تو میں بیٹھے سارب علی ہمدانی کے لب جیسے مسکراہٹ بھول کر آپس میں مل گئے تھے۔

تمام رسوم اور شام کے کھانے سے فارغ ہو کر جس وقت وہ اپنے کمرے میں آئی، اس کا پورا بدن تھکن سے چور ہو کر دکھ رہا تھا۔ لہٰذا بیڈ پر گرتے ہی وہ نرم کمبل کی آغوش میں لپٹی نیند کی دبیز وادی میں اتر گئی تھی۔ سارب اس کے سونے کے بعد کمرے میں آیا تھا اور پھر کتنی ہی دیر اس کے پہلو میں بیڈ پر بیٹھا سگریٹ پھونکتا رہا تھا۔

عین اسی پل اس کے سیل پر سالار کی کال آئی تھی۔ جسے اس کا عزیز از جان دوست ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ لہٰذا نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اس کی کال پک کرنی پڑی تھی۔

"ہیلو......"

"ہیلو کے بچے، شادی کرواتے ہی سر سے پاؤں تک بدل گیا...... سالا رو ہی نہیں رہا؟"

دوسری طرف سے اس کا چہکتا ہوا لہجہ جیسے اس کی ہیلو کا منتظر تھا۔

وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"نہیں یار...... ایسی تو کوئی بات نہیں، کہاں ہے تو؟"

"اپنے خوبصورت گھر کے ڈرائنگ روم میں...... تو تو اس کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھا ہوگا......"

"تنہا...... تنہا بیٹھا ہوں"

بہت کوشش کے باوجود وہ اپنی آواز کو بھرانے سے روک نہیں سکا تھا۔ دوسری طرف سالار کو جیسے زبردست جھٹکا لگا۔

"واٹ...... تو ٹھیک تو ہے ناں؟"

"پتہ نہیں......"

"کیا مطلب...... میں آ رہا ہوں ابھی تیری طرف......"

"نہیں یار...... تم رہنے دو، میں کل خود مل لوں گا تم سے......"

فوراً سے پیشتر اس نے کہا تھا مگر سالار نے اس کا جواب سننے سے قبل ہی کال کاٹ دی۔ اگلے پندرہ منٹ میں وہ اس کے دروازے پر تھا۔ سارب تھکے تھکے سے قدم اٹھاتا اپنے بیڈ روم سے نکلا اور سالار کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔

"چل اب بتا کیا پرابلم ہے تیرے ساتھ؟"

وہ بیمار تھا مگر اس کے باوجود فریش دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ سارب اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"کیا ضرورت تھی تمہیں اتنی ٹھنڈ میں یوں دوڑے چلے آنے کی؟"

"ضرورت تو تھی ناں، میرا یار یہاں پریشان ہو اور میں وہاں سکون سے سو جاؤں، ایسا ہو سکتا ہے کیا؟ چل بتا، پسند کی لڑکی مل جانے پر بھی منہ کیوں لٹکا ہوا ہے تیرا؟"

وہ مکمل احتساب کے موڈ میں تھا۔

سارب پھر گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

"یہ وہ لڑکی نہیں ہے سالار، جسے میں پسند کرتا تھا......"

"کیا؟"

"ہاں یار...... یہ کوئی اور ہے......"

"اتنی بڑی غلطی کیسے ہوگئی؟"

وہ اس کے لیے دل سے پریشان ہوا تھا۔ سارب مضطرب انداز میں صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"سب قسمت کا کھیل ہے سالار...... بھلا قسمتوں سے کون لڑ سکا ہے آج تک......"

کتنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار لہجہ تھا اس کا۔ سالار کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آرہا سارب کہ میں تم سے کیا کہوں، پھر بھی اتنی گزارش ضرور کروں گا کہ جو ہو چکا ہے اسے قبول کرلو، بے قصور کسی کو اذیت دینے کا کوئی فائدہ نہیں......"

وہ حساس انسان تھا، اور سارب کو اس سے ایسی ہمدردی کی توقع تھی لہٰذا اس کی نصیحت پر آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"تو ساتھ ہے تو کوئی دکھ، دکھ نہیں ہے سالار......"

قدرے جذب کے عالم میں اس نے کہا تھا۔ سالار کی آنکھیں اس کی محبت پر نم ہو گئیں، جبکہ ڈرائنگ روم سے ملحقہ سارب کے بیڈروم میں ابھی تھوڑی دیر قبل جاگنے والی رحاب کے آنسو جانے کتنی ہی دیر تک اس کے تکیے کو بھگوتے رہے تھے۔

❁

وہ بہت چھوٹا تھا جب سالار سے اس کی دوستی ہوئی تھی۔ اب بھی اسے یاد تھا ان دنوں دن بہت سرد تھے۔ ہلکی ہلکی نکلی ہوئی دھوپ میں اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیلنا اسے بے حد اچھا لگتا تھا۔ ان دنوں اسے سائیکل چلانے کا جنون کی حد تک شوق تھا مگر اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے تھے کہ وہ اپنی خواہش کو تعبیر دے سکتا۔ چند سال قبل ہی اس کے والد کی ڈیتھ ہوگئی تھی جس کے باعث گھرداری کا سارا انتظام اس کے بڑے بھائی خاور حسن نے سنبھال رکھا تھا۔

اس کی والدہ زیب حسن، اس کے والد کی ڈیتھ کے بعد اکثر بیمار رہنے لگی تھیں لہٰذا گھر کی مکمل مختاری اس کی بڑی بھابھی حسنہ خاور کو مل گئی تھی۔ یوں گھر میں ایک طرح سے اس کے بھائی اور بھابھی کا مکمل راج تھا۔ اسے ضرورت کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے بعض اوقات بہت ترسنا پڑتا تھا۔ اکثر وہ سکول سے آتا تو اسے سخت بھوک لگی ہوتی، مگر اس کی بھابھی جان بوجھ کر کسی نہ کسی کام میں لگی رہتی۔ یوں مجبوراً اس کے رونے پر اس کی ماں تیز بخار کے باوجود خود اُٹھ کر اس کے لیے روٹی بناتی، ذرا بڑا ہونے پر اس نے بھوک پر ضبط کرنا سیکھ لیا۔ پھر والدہ کی وفات کے بعد اس کی شخصیت میں اور بھی ٹھہراؤ آگیا۔ غیر محسوس طور پر اپنے سارے کام اس نے

خود ہی اپنے ذمے لے لیے تھے۔ صرف شام کا کھانا وہ بھابھی کے ہاتھ سے کھاتا۔ اس کے لیے بھی زیادہ تر اس کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ کسی نہ کسی دوست کے ساتھ گھر سے باہر ہی کھالے۔

زندگی میں اگر سالار حسن کا ساتھ نہ ہوتا تو شاید والدہ کی وفات کے بعد وہ بکھر کر رہ جاتا۔

پہلی بار جب اس نے گلی کے ایک بچے کی بائیسیکل حاصل کرنے کے لیے پورے ایک گھنٹے اسے دھکے لگا لگا کر سواری کروائی مگر اس کے باوجود اس لڑکے نے اسے چند منٹ سائیکل چلانے کے بعد دھکا دے کر نیچے گرا دیا۔ تب سالار حسن ہی اس کی مدد کے لیے تیزی سے لپک کر اس کے پاس آیا تھا۔ اس کے فادر کی نئی نئی پوسٹنگ ہوئی تھی اس شہر میں، اور اس کے پاس اپنی نئی سائیکل تھی۔ اس نے نہ صرف گرے ہوئے سارب کو اٹھایا تھا بلکہ اپنی سائیکل بھی اسے چلانے کے لیے دی تھی۔ جانے وہ کب سے اسے سائیکل کے لیے خوار ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

پھر اس کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا دونوں کی دوستی مضبوط تر ہوتی گئی۔ سارب کی ساری ضرورتیں سالار بنا کہے ہی پوری کرتا رہا۔ پھر اس کے اصرار اور محبت نے والدہ کی وفات کے بعد اسے مزید تعلیم کے لیے اکسایا۔ اسی کی ہیلپ نے اسے پہلی شاندار جاب دلوائی اور بعد میں اسی کے بل بوتے پر اسے بزنس کی دنیا میں اپنے قدم جمانے کا موقع ملا۔

سارب کے لیے اس کی ہستی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھی۔ وہ اسی کی ذات میں اپنا ہر رشتہ تلاشتا تھا۔ اکٹھے کھانا پینا، اکٹھے آنا جانا اور اکثر اکٹھے ہی سوجانا ان کی زندگی کا معمول بن گیا تھا۔

جن دنوں سارب کو رحاب میں دلچسپی محسوس ہوئی اس نے سب سے پہلے سالار کو بتایا اور یہی وقت تھا جب سالار نے بھی اپنی خفیہ محبت کی سادہ سی کہانی کو اس کے گوش گزارا، اس کے بقول اسے ایک سادہ سی لڑکی اچھی لگتی تھی مگر اس نے کبھی اس لڑکی کو نہیں بتایا تھا کہ وہ اسے اچھی لگتی ہے۔ سارب نے اصرار کیا تھا کہ وہ اسے لڑکی دکھائے مگر اس نے ٹال دیا تھا۔

پھر وقت کے ساتھ ساتھ رحاب میں اس کی دلچسپی محبت میں تبدیل ہوتی گئی تھی، اور وہ اپنے ہر جذبے سے سالار کو باخبر کرتا گیا تھا۔ ادھر وہ بھی گاہے بگاہے اسے اپنی محبت سے متعلق کوئی نہ کوئی بات سنا دیتا۔ اس تمام کہانی میں سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ دونوں نے ہی ایک دوسرے کی محبوبہ کو ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ رحاب کے پاکستان شفٹ ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد سالار نے اسے اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان شفٹ ہونے کی خبر سنا دی تھی۔ ساتھ ہی وہ اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ بھی سب کچھ سمیٹ کر پاکستان چلے مگر اس کے اصرار کے باوجود وہ فوری طور

پر اس کے ساتھ پاکستان نہ جاسکا، جس کے باعث سالار کے پندرہ دن اگر پاکستان میں گزرتے تو پندرہ دن دبئی میں۔

وہ جب پاکستان ہوتا تو رات رات بھر اسے سونے نہ دیتا، سارب کو اکثر اس سے گلہ ہوتا کہ وہ اپنی ہر بات اس سے شیئر نہیں کرتا، مگر وہ ہر بار ہنس کر ٹال دیتا۔ جس لڑکی سے وہ محبت کرتا تھا، اس کا نام اس نے اپنی پسند سے ”شونا“ رکھا ہوا تھا۔ وہ اکثر سارب کے سامنے اس کا ذکر کرتے ہوئے اسے ”میری شونا“ کہتا تھا۔ لہٰذا سارب بھی اس کی محبوبہ کو اسی نام سے یاد کرتا۔ اس کے لیے وہ لڑکی دنیا کی سب سے خوش قسمت لڑکی تھی جسے سالار جیسے شخص نے چاہا تھا اور اس کی سب سے بڑی خواہش بھی یہی تھی کہ وہ اس لڑکی سے ملے، مگر سالار نے کبھی اس کوشش میں اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔

وہ اکثر اپنی محبوبہ کو کسی نہ کسی تقریب میں دیکھتا، ایک دو بار مارکیٹ میں اس کی اس سے براہ راست بات بھی ہوئی۔ پھر کئی بار وہ اس کی بھتیجی کے ساتھ ان کے گھر بھی آئی، اس کی فیملی سے ملی اور یہ تمام باتیں سالار نے خود رات رات بھر کال کر کے اسے بتائی تھیں۔ سارب اچھی طرح جانتا تھا کہ سالار کی زندگی میں اس لڑکی کی کیا اہمیت، کیا قدر و قیمت تھی، وہ اس کا ذکر کرتا تھا تو پھول کی مانند کھل اٹھتا تھا۔

اپنے سیل پر رنگ ٹون بھی اس نے ”میری شونا“ ہی سیٹ کروا رکھی تھی۔ جن دنوں اس کی شادی کے آناً فاناً دن رکھے گئے۔ ان دنوں سالار یورپ میں تھا، اور روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر بستر پر پڑا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنی شادی کی خوشی کو وہ صحیح طور پر انجوائے بھی نہیں کر سکا تھا جبکہ سالار نے میلوں دور ہو کر بھی اس کی شادی کے مختلف فنکشنز کے لیے جانے کیا کیا کر دیا تھا۔

سارب کی خفگی پر انتہائی مجبوری کے باوجود وہ اس کی بارات والے روز پہنچ گیا تھا اور پھر جس وقت انتہائی نفاست سے تیار ہوئی۔ رحاب کو اس کے پہلو میں سٹیج پر لا کر بٹھایا گیا۔ اس وقت اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا مگر...... یہ ساری خوشی اس وقت تجسس اور حیرانی میں بدل گئی جب اس نے سالار حسن کی آنکھوں میں رحاب کی طرف دیکھتے ہوئے خوشیوں کے دیپ بجھتے دیکھے۔ محض چند لمحوں میں اس کی بجھتی آنکھیں اور چکراتا سر، سارب کو اچھی خاصی پریشانی میں مبتلا کر گیا تھا۔ پھر اس کے بعد گو اس نے سارب کی خوشی کے لیے زبردستی مسکراہٹ کا لبادہ بھی اوڑھا، مگر خود کو نارمل نہ کر سکا۔ یہی وجہ تھی کہ دودھ پلائی کی رسم کے فوری بعد وہ بیماری کا بہانہ بنا کر اسٹیج سے اٹھ گیا تھا، مگر سارب کے اندر الجھن چھوڑ گیا۔

اسے گمان نہیں تھا کہ وہ کبھی حقیقت تک پہنچ پائے گا، مگر سالار کی بڑی بھابھی نے ساری کہانی کھول کر رکھ دی۔ وہ شاید اپنی کسی جاننے والی کو ہی بتا رہی تھیں کہ......

”یہی تو ہے وہ لڑکی...... جس سے سالار شادی کرنا چاہتا تھا...... دیکھا نہیں، کیسے لمحوں میں بجھ کر رہ گیا، سچ کہتے ہیں کہنے والے، یہ دوستی بڑے امتحان لیتی ہے......“

اور بس یہی جملہ اسے مسمار کر گیا تھا۔

اسے خبر ہی نہ تھی کہ اتنی بڑی حقیقت جاننے کے بعد وہ اپنے پاؤں پر کھڑا کیسے رہا تھا؟ ایک طرف دل تھا تو دوسری طرف زندگی جیسا دوست، وہ دوست جس نے زندگی میں اسے صرف خوشیاں ہی خوشیاں دی تھیں۔ کتنی عجیب بات تھی کہ اسی دوست کو اس نے گہرے دکھ سے ہمکنار کر دیا تھا۔ وررو دیا تھا، اور بہت ٹوٹ کر رو دیا تھا۔

اپنے نصیب کی بدنصیبی پر

رحاب کی بے وفائی و فریب پر

اپنے جان سے پیارے دوست کو پہنچنے والی نادانستہ تکلیف پر، اور اپنے ساتھ ہونے والے مقدر کے اس عجیب و غریب اتفاق پر۔ رحاب جان بھی نہ سکی تھی مگر وہ لمحوں میں صدیوں کا سفر طے کر آیا تھا۔

......❀......

تمہیں معلوم ہے ہم نے
کسی کے ہجر میں یہ زندگی کیسے گزاری ہے
ہر اک خوشبو کی آہٹ پر
گماں اس کا گزرتا تھا
ہر اک ساعت پہ دل آنکھوں میں آ کے بیٹھ جاتا تھا
کئی پہلو بدلتی خواہشیں ہاتھوں کو پھیلائے
امیدیں ہاندھتی اور ہانپتی دل سے گزرتی تھیں
مگر جو ہجر لاحق ہے
یہ جسم و جاں کی دیواریں گراتا ہے
امید و بیم کی آنکھوں سے سارے خوشنما خوابوں کو
دھوتا ہے ستاتا ہے
سو ہم بھی خواب ہیں
اور خواب کی تقدیر میں لکھا گیا ہے
و بے اماں رہنا......

عمر کی طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی تھی لہٰذا نا چاہتے ہوئے بھی اسے اس کی خبر گیری کے لیے جانا پڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی جہاں سائرہ بیگم کی آنکھوں کے دیپ روشن ہوئے تھے وہیں ثانیہ کی پیشانی کے بل مزید گہرے ہو گئے تھے، مگر اس نے پرواہ نہیں کی۔

اسے اب لوگوں کے رویوں کی خاص پرواہ رہی بھی نہیں تھی۔ عمر البتہ اسے دیکھ کر کھل اٹھا تھا۔

''کیسی ہو علیزہ......؟''

''الحمدللہ، بخیریت ہوں تم کہو کیسے ہو؟''

''تمہارے سامنے ہوں، تم نے تو دوبارہ پلٹ کر خیریت دریافت کرنا بھی گوارہ نہیں کی، میرا نہیں تو کم از کم امی کا ہی خیال کیا ہوتا......''

وہ گلہ کر رہا تھا، علیزہ سائرہ بیگم کے پاس بیٹھتے ہوئے بے مقصد مسکرا دی۔

''بس...... بہت معروف رہی پچھلے دنوں اسی لیے نہیں آسکی، خیر اب تو گھر میں امن وسکون ہے ناں؟'' ثانیہ کمرے میں نہیں تھی، اسی لیے اس نے یہ سوال پوچھا تھا، جواب میں ایک تلخ سی مسکراہٹ عمر کے لبوں پر بکھر گئی۔

''ایسی ہماری قسمت کہاں، جن کے اپنے اندر بے سکونی ہوتی ہے...... وہ کسی دوسرے کو بھی سکون سے نہیں رہنے دیتے علیزہ......''

''کوئی دوسرا حل نہیں...... میں ثانیہ کو ڈائیورس دے رہا ہوں......''

''کیا......؟''

عمر کے حتمی لہجے سے اسے جیسے ہزار وولٹ کا جھٹکا لگا تھا، جبکہ سائرہ بیگم دھیرے سے سر جھکا گئی تھیں۔

❁

وہ چوڑیاں اتار رہی تھی جب سارب علی ہمدانی نے کمرے میں قدم رکھا۔ رحاب نے سرسری سی اک نگاہ اس پر ڈال کر رخ پھیر لیا۔ سارب نے اس کی خفگی کو محسوس کیا تھا مگر وہ اس پر توجہ کیے بغیر کندھے پر پڑا کوٹ قریبی صوفے پر پھینک کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ رحاب کو اس لمحے اپنے اندر زندگی گھٹتی ہوئے محسوس ہوئی تھی۔

مسلسل ضبط کی کوشش میں سرخ ہوتی آنکھیں چھلکنے کو بے تاب تھیں مگر اس نے جلدی سے اپنا چہرہ رگڑ لیا۔ وہ کم از کم اس شخص کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی جس نے اسے اپنا کر عرش سے فرش پر لا پٹخا تھا۔ سارب فریش ہو کر کمرے میں واپس آیا تو رحاب بستر میں دبک کر اپنا کمبل درست کر رہی تھی۔ وہ کچھ سوچتا ہوا اس کے پہلو میں نیم دراز ہو گیا۔

''کھانا کھا لیا رحاب؟''

یونہی بات کرنے کو جو پہلا سوال اس کی سمجھ میں آیا وہ یہی تھا۔ رحاب نے کمبل لپیٹ کر اس کی طرف سے رخ پھیر لیا۔

''نہیں......''

"کیوں؟" وہ حقیقتاً حیران ہوا تھا مگر رحاب نے وضاحت ضروری نہیں سمجھی تبھی وہ بولا تھا۔

"آئی ایم سوری رحاب...... اگر مجھے ذرا سا بھی علم ہوتا کہ تم مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں ہو تو میں یہ شادی کسی صورت نہ کرتا......"

"مجھے نیند آ رہی ہے...... فی الحال میں آپ سے اس موضوع پر بات نہیں کر سکتی......"

وہ اپنا ضبط کھو رہی تھی۔ سارب نے ہاتھ بڑھا کر اس کا رخ اپنی طرف پھیر لیا۔

"تم کس موضوع پر بات کر سکتی ہو؟"

"کسی موضوع پر بھی نہیں......"

اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اس نے خفگی جتائی تھی مگر سارب نے پرواہ نہیں کی۔ اس نے زبردستی اسے دونوں کندھوں سے تھام کر اپنے سینے پر گرا لیا تھا۔

"مانا کہ ہمارا رشتہ ان چاہا ہے مگر ہم آپس میں بات تو کر سکتے ہیں رحاب......" وہ اس کا امتحان لینے پر تلا تھا۔ رحاب اس کے فولادی بازوؤں کی گرفت میں کسی کمزور سے پرندے کی مانند پھڑپھڑا کر رہ گئی۔

"کوئی بات نہیں کرنی مجھے تم سے...... چھوڑو......"

رندھے لہجے میں کہتی وہ آپ سے تم کا فاصلہ سمیٹ گئی تھی۔ سارب اس کے احتجاج پر یونہی ضد میں آ کر اسے مزید مضبوطی سے خود سے جکڑ گیا۔ یوں کہ رحاب کے لیے سینے سے سانس خارج کرنا بھی ممکن نہ رہا۔

کچھ پل اسی کشمکش میں بیت گئے جب وہ تھک گئی تو اس کی فولادی گرفت سے رہائی کی کوشش ترک کرتے ہوئے اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ سارب کے لیے یہ لمحہ کسی امتحان سے کم نہیں تھا۔ زندگی اس کی باہوں میں تھی مگر...... وہ اسے محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ تصور کے پردے پر جیسے ہی سالار کا عکس جھلملایا۔ اسے لگا جیسے اس نے آگ کے شعلوں کو لپیٹ میں لے رکھا ہو۔ رحاب رو رہی تھی۔ جب وہ اسے خود سے الگ کرتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

"کاش مجھے پتہ ہوتا کہ میں کس لڑکی سے شادی کر رہا ہوں......" اس بار اس کے لہجے میں درد تھا۔ رحاب زخمی نگاہوں سے اسے دیکھتی بیڈ سے اتری اور بھاگ کر کمرے سے نکلتے ہوئے باہر برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر چہرہ گھٹنوں پر لگاتے ہوئے رو پڑی۔

❋

"پاگل ہو گئے ہو عمر......"

وہ حیران ہوئی تھی۔ عمر نے اس کی حیرانی پر ذرا سا سر جھٹکتے ہوئے رخ پھیر لیا تھا۔

"اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے...... میرا اس عورت کے ساتھ گزارا ممکن نہیں ہے......"

"اب...... اب تمہیں احساس ہوا ہے کہ تمہارا اس کے ساتھ گزارہ ممکن نہیں ہے......"

"اب کیا ہو گیا ہے...... چند سال ہی تو ہوئے ہیں اس سے شادی کو...... ابھی تو بچہ بھی ایک ہی ہے......"

"پاگل مت بنو عمر...... یہ تعلق اتنا ناپائیدار نہیں ہوتا کہ یوں لمحوں میں جذباتی فیصلے کر لیے جائیں......"

"لیکن میرا اب اس عورت کے ساتھ مزید گزارہ ممکن نہیں ہے......" مزید بحث سے احتراز کرتے ہوئے اس نے حتمی لہجے میں کہا تھا۔ علیزہ سر ہاتھوں پر گراتے ہوئے سائیڈ پر بیٹھ گئی۔

"میں ثانیہ سے بات کروں گی...... اسے سمجھاؤں گی......"

"کوئی فائدہ نہیں...... وہ عورت سمجھنے سمجھانے کی حد سے باہر نکل چکی ہے......"

"پھر بھی...... میں ایک کوشش ضرور کروں گی، طلاق ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتی......"

"لیکن...... تم چھوڑو...... تم نہیں سمجھو گی......"

وہ کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر کہہ نہیں پا رہا تھا۔ علیزہ پہلی بار اسے بہت زیادہ الجھا ہوا دیکھ رہی تھی۔

"کیا سمجھانا چاہ رہے ہو تم مجھے......؟"

ایک نظر پاس بیٹھی سائرہ بیگم پر ڈالتے ہوئے بالآخر اس نے پوچھ لیا تھا۔

"کچھ نہیں...... بس تم دعا کرو میرے لیے...... مجھے سکون نہیں ہے......" اس کے سوال پر ہلکی سی سانس بھرتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ علیزہ اس کے جانے کے بعد گردن سیدھی کرتی وہیں سائرہ بیگم کے قریب بستر پر نیم دراز ہو گئی۔

"عمر غلط کر رہا ہے آنٹی...... اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے......"

"ہوں...... لیکن ثانیہ بھی کچھ اچھا نہیں کر رہی ہے اس کے ساتھ......" ان کا فوری جواب آیا۔ وہ کروٹ کے بل لیٹ کر سر دائیں ہاتھ پر ٹکا گئی۔

"کیا مطلب...... کیا میرے یہاں سے جانے کے بعد بھی کوئی جھگڑا ہوا ہے ان دونوں کے بیچ؟"

"ہاں بیٹے......جھگڑے تو روزانہ ہوتے ہیں لیکن اب تو انتہا ہی ہو گئی ہے......ذرا سا بچہ لیٹ ہو جائے، وہ طوفان اٹھا لیتی ہے کہ ضرور تم سے ملنے نکل گیا ہو گا...... میں کچھ کہتی ہوں تو منہ کو آتی ہے......تم ہی بتاؤ کہ ایسی صورتحال میں عمر اور کیا کرے......"

وہ غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔ علیزہ ان کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر چت لیٹ گئی۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ علی رضا کے معاملے میں اس کی کزن میمونہ سے بہت سی باتیں اس کے خلاف سن کر بھی اس کا دل اس کے لیے خراب نہیں ہوا تھا۔ پورے دو دن وہ گم سم رہی تھی اور تیسرے دن ضبط کی حد کو کراس کرتے ہوئے دل کی اندھی تقلید پر وہ کالج سے سیدھی اسے ملنے اس کے گھر چلی گئی تھی۔ سخت دوپہر کے وقت سنسان سڑک پر پہلی بار اکیلے جاتے ہوئے اس کی ہتھیلیاں بار بار پسینے سے بھیگ رہی تھیں۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اتنے دنوں کے بعد جب علی اسے اپنے سامنے دیکھے گا تو کیسے تاثرات کا اظہار کرے گا۔ اس کے گھر والے اس کی آمد اور عیادت کو کس نگاہ سے دیکھیں گے؟ اس وقت وہ صرف دل کی شوریدہ سری کا ساتھ دے رہی تھی۔ علی رضا کی محبت کے معاملے میں اس کا نفس کمزور پڑ گیا تھا۔ بھری دوپہر میں جس وقت وہ علی رضا کے گھر کے گیٹ پر پہنچی تھی۔ ایسے یہ بھی بھول گیا تھا کہ اس کے اپنے گھر میں اس کی ذرا سی تاخیر پر بیقرار ہو جانے والی ماں، اس وقت اس کے لیے کتنی پریشان ہو گی۔ خودسری و خودغرضی کی انتہا تھی۔ دروازہ علی رضا کے گھر کی ملازمہ نے کھولا تھا۔ وہ خشک لبوں پر زبان پھیرتی بمشکل اپنا اعتماد بحال رکھ پائی تھی۔

"السلام علیکم...... یہ رضا صاحب کا گھر ہی ہے ناں؟"

گھر کے باہر لگی نیم پلیٹ پر دو تین بار یہ نام پڑھنے کے باوجود اس نے پوچھا تھا جب ملازمہ نے کہا۔

"آ ہو جی...... پر تسی کون ہو؟"

"میرا نام علیزہ ہے......رضا صاحب کے بیٹے علی کی کلاس فیلو ہوں......ان کی عیادت کے لیے آئی ہوں......"

"اچھا جی......وہ تو گھر پر ہی ہیں......مگر باقی لوگ ابھی گھر پر نہیں ہیں......"

"کوئی بات نہیں...... مجھے صرف علی صاحب سے ملنا ہے......" وہ بار بار یہاں آنے کا نہ رسک لے سکتی تھی نہ ہمت کر سکتی تھی۔ تبھی جلدی سے بولی تو ملازمہ کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھتی بالآخر اسے علی رضا کے کمرے میں لے آئی جو اس وقت اپنے سیل فون پر کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔ نگاہ علیزہ پر پڑتے ہی نہ صرف وہ چونکا تھا بلکہ فوراً اٹھ کر بھی بیٹھ گیا تھا۔

حقیقت میں اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ علیزہ دوبارہ کبھی اس سے کوئی تعلق رکھے گی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کی دوست نادیہ اسے ہرگز ایسا نہیں کرنے دے گی۔ ابھی فون پر وہ اپنے دوست سے بھی یہی باتیں کر رہا تھا کہ...... "شکار" خود ہی چل کر اس کی کچھار تک آ گیا تھا۔

"السلام علیکم......"

"وعلیکم السلام......کیسی ہو؟"

چمکتی نگاہوں سے اس کی ابتر حال کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے مسکرا کر اس کے مرے مرے سے سلام کا جواب دیا تھا۔ علیزہ ڈبڈباتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی اس کے بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔

"ٹھیک ہوں......تم کیسے ہو؟"

"پتہ نہیں یار......اس کمرے سے باہر نکلوں گا تو پتہ چلے گا کہ کیسا ہوں......ویسے تم باز نہیں آئیں ناں......" وہ چوٹ کر رہا تھا۔ علیزہ ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"میں تمہیں کھو کر زندہ نہیں رہ سکتی علی...... میرے لیے تمہارا ساتھ زندگی کا دوسرا نام ہے......"

"اگر ایسا ہوتا تو اس روز میرا مان نہ توڑتی تم......"

"میں نے مان توڑا کہ تم نے......"

وہ اس کے شکوے پر ہرٹ ہوئی تھی جب وہ خفگی سے تکیہ بانہوں میں چھپاتے ہوئے بولا۔

"شاید ہم دونوں نے ہی...... بہر حال میں ہر قیمت پر تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں...... اگر یہ ممکن نہیں تو خاموشی سے پیچھے ہٹ جاؤ علیزہ...... میں ادھورے تعلقات کا قائل نہیں......"

"میں سمجھی نہیں......"

"تمہاری مرضی...... میں نے کوئی مشکل بات نہیں کی ہے......دیکھو تم مجھے پانا چاہتی ہو ناں......"

"ہاں......"

"میں بھی تمہیں کھونا نہیں چاہتا...... اسی لیے چاہتا ہوں کہ ہم ایک ہو جائیں......فی الحال ہم دونوں کے گھر والے ہی شاید ہماری شادی نہ ہونے دیں، اس لیے میں تم سے خفیہ تعلقات رکھنا چاہتا ہوں...... بولو، میرا ساتھ دو گی؟"

وہ عشق کے میدان کا ماہر کھلاڑی تھا اور اِدھر علیزہ عقل سے پیدل اناڑی۔

"تمہارا کہنے کا مطلب ہے تم مجھ سے ناجائز تعلق بناؤ گے......؟"

"نہیں یار...... دو پیار کرنے والوں کے درمیان ناجائز کچھ نہیں ہوتا...... جب دل ایک ہوں تو جسموں کا ایک ہونا۔ خاص اہمیت نہیں رکھتا......"

"پھر جسموں کے ایک ہونے کا تقاضا کیوں کرتے ہو علی......" وہ آسان شکار ثابت نہیں ہو رہی تھی۔ علی رضا نے کوفت سے لب بھینچ لیے۔

"اُلو کی پٹھی ہو تم...... بیوقوف لڑکی، میں تمہیں صرف اپنا بنا کے رکھنا چاہتا ہوں...... اس لیے یہ ضروری ہے کہ تمہارے جسم پر بھی صرف میرے ہی پیار کی نشانیاں ثبت ہوں...... اتنی سی بات بھی سمجھ میں نہیں آئی تمہیں......"

"آتی ہے...... لیکن بنا نکاح کے میرے لیے ایسا سوچنا بھی حرام ہے......" اس کا دل معمول کی رفتار سے کہیں تیز دھڑک رہا تھا۔ علی رضا سلگتی سی اک خاموش نگاہ اس پر ڈالنے کے بعد پھر لب بھینچ گیا۔

"تو یہ تمہاری ضد ہے؟"

"نہیں...... ایک جائز مطالبہ ہے......"

"او کے...... ویٹ......"

ایک لمحے میں فیصلہ کیا تھا اس نے، اور اگلے ہی لمحے اس کا سیل فون اپنے قریبی دوستوں کے نمبر پریس کر رہا تھا۔

"میں نے قاضی صاحب اور اپنے چار گواہ دوستوں کو بلا لیا ہے، ابھی اور اسی وقت نکاح کرو گی مجھ سے؟" وہ جیسے ضد میں آ گیا تھا۔ علیزہ ہکا بکا سی اس کا جذبات سے عاری چہرہ دیکھتی رہ گئی۔

"یہ...... یہ کیا کہہ رہے ہو تم...... یوں اس طرح سے......"

"میں کچھ نہیں جانتا...... میرا ابھی اور اسی وقت تم سے نکاح ہو رہا ہے...... وہ بھی تمہاری ضد پر، سمجھی تم......" وہ شخص ہتھیلی پر سرسوں جمائے بیٹھا تھا اور پھر اگلے آدھے گھنٹے میں اس کی تقدیر بدل گئی۔ بنا اپنے والدین اور دوستوں کے علم لائے وہ علی رضا سے نکاح کے بندھن میں بندھ چکی تھی۔ قاضی صاحب اور اپنے دوستوں کو شکریہ کے ساتھ رخصت کرنے کے بعد وہ اس کے قریب آیا تھا۔

"اب تو خوش ہو ناں تم...... ہو گیا تم سے نکاح...... اب اٹھو اور گھر جاؤ...... کل شام

پانچ بجے شب عروسی کے لیے میں تمہیں لینے آؤں گا...... اپنے گھر والوں سے بہانہ بنا کر تم میرے ساتھ شادی کی پہلی رات کیسے گزارنا چاہتی، یہ تم پر چھوڑتا ہوں...... اب جاؤ......" لمحوں میں اس کی تقدیر بدل کر وہ اب اسے ایک نئے امتحان کے سپرد کر رہا تھا۔ علیزہ عجیب سے احساسات میں گھری چپ چاپ اٹھ کر گھر آ گئی جہاں انیسہ بیگم از حد تفکرات میں گھری بے چینی سے اس کی راہ دیکھ رہی تھیں۔

"کہاں رہ گئی تھیں تم؟"

دروازہ کھولتے ہی انہوں نے بے تابی سے پوچھا تھا جب وہ گھبرا کر ان سے نگاہ چراتے ہوئے بولی۔

"کہیں نہیں...... ایک دوست کی طبیعت آج کالج میں اچانک خراب ہو گئی تھی، اس کی عیادت کے لیے کلاس کی کچھ لڑکیاں گئیں تو مجھے بھی جانا پڑا......"

"تو انفارم کر دیتیں...... موبائل کس لیے رکھا ہوا ہے اپنے پاس؟"

"موبائل میں بیلنس نہیں تھا امی...... کیا ہو گیا ہے آپ کو......"

"بیلنس کی بچی...... جو روزانہ کے سو پچاس روپے ذاتی خرچ کے لیے مجھ سے اینٹھتی ہو، وہ کہاں جاتے ہیں؟" وہ غصے میں تھیں، علیزہ زچ ہو کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ اس روز وہ نہ ٹھیک سے کھانا کھا سکی تھی، نہ سو سکی تھی، رات بھر بستر پر کروٹیں بدلتے وہ اس تبدیلی کے بارے میں سوچتی رہی، جو اس کی زندگی میں اچانک در آئی تھی۔

اگلے روز شام تک بہت سوچنے کے بعد اس نے علی رضا کا ساتھ دینے کا عہد کر لیا تھا۔ انیسہ بیگم سے اپنی فرینڈ کی مہندی کی تقریب میں شرکت کا بہانہ بنا کر بے حد اصرار کے بعد اس نے شام میں سعید صاحب کے آنے سے قبل ہی گھر چھوڑ دیا تھا۔ گھر سے نکلتے وقت اس نے انیسہ بیگم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ جلد لوٹ آئے گی اور یہ بھی کہ نادیہ اس کے ساتھ ہو گی، مگر علی رضا کے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں مقید ہونے کے بعد اس نے گھر فون کر دیا کہ اس کی دوست کی مہندی کی تقریب لیٹ شروع ہو رہی ہے۔ لہٰذا وہ اسے آنے نہیں دے رہی۔ اب صبح ہی اس کی واپسی ہو گی۔ انیسہ بیگم نے اس کی اس حرکت پر خفگی کا اظہار کیا تھا، مگر علیزہ نے بنا اثر لیے کال کاٹ دی۔ عشق کا جادو جب سر چڑھ کے بول رہا ہو تو بھلائی کی دلیل بھی ذہن و دل میں چبھتی ہے۔ علی رضا اسے ساتھ لے کر پہلے مارکیٹ میں گھومتا رہا، پھر پارلر لے گیا۔ جس وقت وہ مارکیٹ میں اس کے ساتھ جیولر شاپ سے باہر نکل رہا تھا اسی وقت وہاں موجود نادیہ کی نگاہ ان

دونوں پر پڑی تھی۔علیزہ کا رنگ نادیہ کو دیکھ کر اڑ گیا تھا مگر علی رضا نے کچھ جتاتی سلگتی سی نگاہ اس کے چہرے پر گاڑھتے ہوئے آہستہ سے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ہاتھ میں دبالیا۔

نادیہ اس کی ہر ادا کا مطلب بخوبی سمجھتی تھی تبھی ان دونوں پر تین حرف بھیج کر وہ وہاں سے چلی گئی۔تاہم علی رضا کے اندر لگی آگ کو جیسے ہوا مل گئی تھی۔ہوٹل کے کمرے میں بے حد نفیس میک اپ کے ساتھ اس کے مقابل بیٹھی علیزہ سعید دلہن بن کر بے حد پیاری لگ رہی تھی مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں صرف نادیہ کا عکس پھیلا ہوا تھا لہٰذا اس کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھامتے وقت وہ یہی محسوس کر رہا تھا کہ اس کے سامنے علیزہ سعید نہیں بلکہ نادیہ بیٹھی ہے جسے پا کر حاصل کرنے کی طلب نے اسے نیم پاگل کر دیا تھا۔گزشتہ دنوں یونیورسٹی میں اپنی راہ روکے جانے پر جیسے اس نے دو تھپڑ سے سب کے سامنے اس کی عزت افزائی کی تھی، وہ اسے بھول نہیں پا رہا تھا۔علیزہ اس کی قربت کے احساس میں قطرہ قطرہ موم بن کر پگھل رہی تھی۔جبکہ علی کی گداز انگلیاں لرزتے ہوئے اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو چھوتی اسے یہی احساس دلا رہی تھیں کہ اس کے سامنے بیٹھی لڑکی کوئی اور نہیں صرف اور صرف نادیہ ہے۔تبھی وہ اس پر جھکا تھا اور دیوانہ وار اسے چومنا شروع کر دیا تھا۔اس لمحے اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے ساری دنیا کو فتح کر لیا ہو، اور یہی وہ لمحہ تھا جب مدہوشی کے عالم میں اس نے علیزہ سے کہا تھا۔

"علیزہ...... مجھے بچے بہت اچھے لگتے ہیں...... تم دیکھنا، میرے بچے ساری دنیا پر راج کریں گے......"

اس لمحے نہ تو وہ مکمل ہوش میں تھا، نہ ہی اسے یہ یاد رہا تھا کہ انہوں نے یہ نکاح دنیا سے چوری کیا ہے۔علیزہ نے اسے یہ حقیقت یاد دلانے کی بھتیری کوشش کی تھی مگر...... وہ اس وقت جذبات کے طوفان کی زد میں آیا منہ زور آندھی کی مثال لگ رہا تھا۔ایسی منہ زور آندھی جو سب کچھ اکھاڑ کر لے جائے بغیر تھمنے کا نام نہیں لیتی۔علیزہ کو نادیہ سمجھ کر اس رات جو کچھ اس نے علیزہ سعید کے ساتھ کیا، وہ اسے سبق سکھانے کو کافی تھا، مگر اس نے سبق نہیں سیکھا۔علی رضا کی تمام ترشدتوں کو وہ اس کی محبت سے ہی منسوب کر رہی تھی۔ایسی محبت سے جو علی کے دل میں اس کے لیے نہیں تھی۔

❁

اگلے روز جب وہ بیدار ہوا تو علیزہ گھر جانے کے لیے بے چین ہو رہی تھی۔مندی مندی آنکھیں کھول کر اس نے ایک نظر علیزہ کے حیاء سے سرخ سادہ چہرے پر ڈالی، پھر نہ

چاہتے ہوئے بھی تکیہ گود میں لے کر اٹھ بیٹھا۔

"اٹھ گئیں تم......"

"ہاں...... امی پریشان ہو رہی ہوں گی، مجھے گھر جانا ہے......"

"اتنی جلدی؟"

"جلدی کہاں ہے...... دن نکل آیا ہے......"

"او کے...... میں ہاتھ لے لوں...... پھر ناشتہ کر کے نکلتے ہیں، گھر جا کر پتہ نہیں کیا سلوک ہوتا ہے تمہارے ساتھ......"

وہ مسکرایا تھا اور علیزہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

ناشتے کے دوران علی کا موضوع گفتگو بھی گزرنے والی رات ہی تھی۔وہ بیتنے والے ایک ایک لمحے کا لطف لیتے ہوئے اسے کنفیوژ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔علیزہ گھر آئی تو ہیبہ بیگم نے اچھے خاصے انداز میں اس کی طبیعت فریش کر ڈالی مگر وہ اتنی خوش تھی کہ ان سے پڑنے والی ڈانٹ کا اثر لیے بغیر مسکراتی رہی۔اس کا خیال تھا کہ وہ اس حقیقت کو وہ چار سال آسانی سے چھپائے رکھے گی مگر علی رضا نے اسے اس کوشش میں کامیاب نہ ہونے دینے کی گویا قسم کھالی تھی۔ہر دوسرے روز وہ جیسے الجھ کر رہ جاتی۔تعلیم میں اس کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی۔ اور یہ بات نادیہ سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔وہ دل ہی دل میں اس کی روش پر کڑھ رہی تھی مگر زبان سے کچھ کہنا بیکار لگ رہا تھا اسے۔اس روز بہت دنوں کے بعد وہ اس کے گھر آئی تو زیادہ دیر ہیبہ بیگم کے پاس ہی بیٹھی رہی تھی۔وہ ان سے ڈھکے چھپے لفظوں میں علیزہ کی شادی کی بات کرنے آئی تھی، مگر علیزہ اس کی بات سن کر تپ گئی۔جانے کیوں اس کے دل میں نادیہ کے لیے ایک عجیب سی خلش اور نفرت نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔جس وقت وہ ہیبہ بیگم سے شادی کی بات کر رہی تھی وہ اس سے الجھ پڑی۔

"تمہیں میری شادی کی بہت فکر ہے...... کیوں؟" انگارے چباتے لہجے میں اس نے پوچھا تھا جب وہ بولی۔

"ہاں ہے...... کیونکہ میں تمہیں بہت عزیز رکھتی ہوں اور یہ نہیں چاہتی کہ تم بے خبری میں کوئی نقصان اٹھاؤ......"

"شٹ اپ...... اپنا برا بھلا میں خود بھی بہت اچھے طریقے سے جانتی ہوں...... تمہیں میری فکر میں گھل گھل کر دبلی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے...... سمجھیں......"

"میں آنٹی سے بات کر رہی ہوں علیزہ...... لہٰذا بہتر ہوگا کہ تم خاموش رہو......"

"کیوں...... کیوں خاموش رہوں، بات میری زندگی پر ہو رہی ہے...... میں کیوں خاموش رہوں......" اس کی جذباتیت کو دیکھتے ہوئے انیسہ بیگم کو اسے ڈپٹنا پڑا تھا۔

"چپ کر علیزہ...... میں دیکھ رہی ہوں آج کل بہت دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا......"

وہ ان کے ڈانٹنے پر پاؤں پٹختی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، تاہم اس روز جو کچھ نادیہ نے انیسہ بیگم کے گوش گزارا تھا، اس سے ان کی راتوں کی نیند اڑ گئی تھی۔

❁

سالانہ پیپرز میں کچھ ہی دن رہ گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اسے کالج چھوڑنے اور کالج سے لانے کی ذمہ داری وصی کے سر ڈال دی جس پر اس نے کافی احتجاج کیا مگر انیسہ بیگم نے اپنا فیصلہ واپس نہیں لیا۔ وہ جلد از جلد اس کا رشتہ طے کرنے کی خواہاں تھیں اور پھر اسی ہفتے میں اللہ نے اس کی یہ خواہش بھی پوری کر دی۔

اپنی منگنی والے دن وہ جیسے انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔ انیسہ بیگم کا ارادہ امتحان کے فوری بعد اس کی شادی رچانے کا تھا لہٰذا اس کے لیے اب اپنے علی کے رشتے کی حقیقت کو چھپانا ممکن نہیں رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس رات سعید صاحب کے گھر واپسی لیٹ ہونے پر انہوں نے جب اسے جلد پرائے ہو جانے کی بات دکھی لہجے میں بتائی تو اس نے بھی ہمت کرتے ہوئے اپنی تمام کہانی ان کے گوش گزار دی۔ اس لمحے انیسہ بیگم کا چہرہ کیسے طوفانوں کی زد میں آ کر سپید پڑ گیا تھا، وہ دیکھ سکتی تھی۔

اس ماں کی بے بسی کا اندازہ لگانا اس وقت اس کے لیے مشکل نہیں تھا جو اپنی ہی کوکھ کے ہاتھوں شکست کھا گئی تھیں۔ شاید معاملہ کسی طور پر سنبھل جاتا اگر علیزہ کی پریگنینسی سامنے نہ آتی۔ سلگتے دنوں اور سلگتی راتوں پر مبنی اس کڑے وقت میں ان کے لیے علیزہ کی شادی باقاعدہ طور پر علی رضا کے ساتھ باعزت طریقے سے کرنے کے سوا اور کوئی چارا نہیں رہ گیا تھا۔ تاہم علی رضا نے اس موقع پر علیزہ کا ساتھ نہیں دیا۔ اس نے اسے صاف بتا دیا کہ یہ نکاح اس نے صرف اس کی ضد پر اسے حاصل کرنے کے لیے کیا تھا، یا پھر نادیہ سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے۔ وہ اذیت جو اس نے اپنی ماں کو ان کا مان توڑ کر دی تھی، وہی درد اور اذیت علی رضا نے اس کا مان توڑ کر اسے لوٹا دی۔

❁

زندگی اس وقت کتنی کٹھن ہو جاتی ہے جب آپ کسی شخص کے لیے تمام کشتیاں جلا کر سمندر میں کود یں اور وہ شخص ہری جھنڈی دکھا کر خود کنارے جا لگے۔ اندھی خواہشات کی بھینٹ چڑھ کر اس نے اپنا جو نقصان کیا تھا، اس کی سمجھ اسے اب آ رہی تھی۔

انیسہ بیگم نے اس سے بات چیت قطعی کر کے نادیہ کو بلایا تھا اور اس سے یہ گزارش کی تھی کہ وہ علی سے بات کر کے اسے سمجھائے اور کہے کہ وہ ان کی عزت کی لاج رکھ لے۔ انہی کے مجبور کرنے پر اس نے روبرو علی رضا جیسے تھرڈ کلاس لڑکے سے بات کرنا گوارہ کیا تھا۔ علی اپنے ساتھ اپنے دوست حماد کو بھی لایا تھا تاکہ اس کے سامنے اس لڑکی کو ذلیل کر کے وہ اپنے اندر کی آگ بجھا سکے۔ وہ اس کے گھٹیا پن کے بارے میں جانتی تھی تبھی علیزہ کو ساتھ لے کر آئی تھی۔ ملاقات کا اہتمام حماد نے اپنے گھر کیا تھا، کیونکہ نادیہ اس سے کسی ہوٹل یا پارک میں ملنے پر راضی نہیں تھی۔ علیزہ کا دل رو رو کر صرف ایک ہی دعا مانگ رہا تھا کہ علی اس سے باقاعدہ شادی پر مان جائے۔ وہ علی رضا کے سامنے آئی تو بے ساختہ رو پڑی۔ جس پر نادیہ نے اسے خاصا ڈپٹ کر چپ کروا دیا۔

"زہے نصیب...... جو آج آپ جیسی مغرور حسینہ خود اپنے پاؤں پر چل کر ہم جیسے آوارہ لوگوں سے ملنے چلی آئی......" علیزہ کے آنسوؤں کو یکسر نظر انداز کیے وہ نادیہ سے مخاطب ہوا تھا جب وہ سرسری سی اک نگاہ حماد پر ڈال کر خود کو کنٹرول میں رکھتے ہوئے بولی۔

"مجبوری تھی بہت بڑی ورنہ تم بھی جانتے ہی ہو...... میں کتوں کو ہڈی نہیں ڈالتی......"

"چلو آج تو ڈال دی ہے...... فرمایئے کون سی مجبوری آ پڑی تھی آپ پر......"

"میری مجبوری سے تم بے خبر نہیں ہو...... جو کھیل اس وقت تم علیزہ سے کھیل رہے ہو، اسے ختم کرو، اور باعزت طریقے سے اسے رخصت کروا کر لے جاؤ......"

"کیوں...... مجھے ایسی کون سی مصیبت پڑی ہے جو میں اسے رخصت کروا کر لے جاؤں...... جس کے پلے کچھ نہیں ہے سوائے خوبصورت جسم کے، وہ بھی دیکھ دیکھ کے دل بھر گیا ہے اب تو...... لہٰذا آئی ایم سوری...... میں تمہاری یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا...... ہاں ایک شرط پر اس بارے میں سوچ سکتا ہوں......"

"کیسی شرط؟"

اس کا لہو شریانوں میں ابل رہا تھا مگر وہ ضبط سے کام لے رہی تھی اور علی اور اس کے اسی ضبط کا فائدہ اٹھانا چاہ رہا تھا۔ تبھی اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''اگر تم مجھ سے شادی کرنے کی حامی بھر لو تو تمہاری رفاقت کے صدقے اس کی قربت کا کڑوا گھونٹ بھی بھر سکتا ہوں میں......''علیزہ کے منہ پر وہ اسے ذلیل کر رہا تھا۔ اسے اس کی اوقات یاد دلا رہا تھا۔ اس سے بڑھ کر بے عزتی کیا ہونا تھی اس کی۔ نادیہ اس کے الفاظ پر چلائی تھی۔

''شٹ اپ......اپنی حد اور اوقات میں رہ کر بکواس کرو......''

''وہی کر رہا ہوں......تم ہی ہو جو بلاوجہ کنٹرول سے باہر ہو رہی ہو......''

''زبان سنبھال کر بات کرو علی...... میں نادیہ کے لیے تمہارا ایسا لہجہ برداشت نہیں کر سکتا......''

حماد جو جانے کب سے اس لڑکی کے لیے اپنے دل میں پروان چڑھتے میٹھے جذبات کو چھپائے ہوا تھا، اچانک بول اٹھا جس پر نادیہ کے ساتھ ساتھ علی رضا بھی چونک اٹھا تھا۔

''کیوں......تو میرا دوست ہے، اس کی ہمدردی کا بخار کیوں چڑھ رہا ہے تمہیں......''

''ہمدردی نہیں ہے یہ...... جو بات کرنی ہے، اخلاق کے دائرے میں رہ کر کرو......''

''چل...... بھاڑ میں گیا تیرا اخلاق......میرا بس چلے تو بھرے بازار میں سب کے درمیان اس لڑکی کو پکڑ کر......''

''چٹاخ......''

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا حماد نے زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر جڑ دیا۔ نادیہ ہکابکا سی اس کا اشتعال دیکھتی رہ گئی۔

''دفع ہو جاؤ یہاں سے......ابھی اور اسی وقت......سمجھ لو کہ آج سے دوستی ختم ہو گئی ہماری......''اس کے محض تھپڑ ہی کیا، الفاظ نے بھی علی رضا کو چکرا دیا تھا۔

''پاگل ہو گیا ہے تو...... اس دو ٹکے کی لڑکی کے لیے بیس سال کی دوستی کو ختم کر رہا ہے......''

''دو ٹکے کی لڑکی نہیں ہے یہ...... بہت عظیم ہے، اعلیٰ کردار کی عمدہ مثال ہے......اس پر کیچڑ اچھالنے کی اجازت نہیں دوں گا میں تمہیں......''اس وقت وہ خود بھی اپنے جذبات سمجھنے سے قاصر تھا۔ نادیہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔ علی رضا کو زبردستی وہاں سے رخصت کرنے کے بعد وہ شرمندہ سے لہجے میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔

''آئی ایم سوری مس نادیہ......اس سٹوپڈ کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگتا

ہوں......آپ پریشان نہ ہوں...... میں اسے سمجھاؤں گا اور ضرورت پڑی تو اس کے فادر سے بھی بات کرنے کی کوشش کروں گا......اگر پہلے یہ بات میرے علم میں ہوتی تو میں کبھی اسے ایسا نیچ قدم اٹھانے نہیں دیتا......''

''شکریہ اس تعاون کے لیے......''

اس خلوص پر اندر ہی اندر متاثر ہوتی وہ بظاہر سرسری انداز میں کہہ کر جانے کے لیے اٹھی تھی جب وہ بولا۔

''ابھی بیٹھیں پلیز......آپ پہلی بار میرے گھر آئی ہیں، کچھ کھائے پیئے بغیر گئیں تو مجھے اچھا نہیں لگے گا......''

''نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں......ابھی فی الحال میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے......آپ کے خلوص کے لیے مشکور ہوں آپ کی......''

''نہیں......اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں...... میرے دل میں آپ کے لیے بہت احترام ہے......خیال رکھیئے گا اپنا......''اس کے خلوص میں بناوٹ نہیں تھی۔ نادیہ بہت متاثر ہو کر واپس آئی تھی۔

پھر اس سے پہلے کہ وہ اس کے فادر سے بات کرتا، علی رضا نے زبانی طلاق کا تحفہ علیزہ کو تھما دیا۔ الجھنیں بڑھیں تو پھر بڑھتی ہی چلی گئیں......بات گھر کے مردوں کے علم میں آئی تو وہ علیزہ کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ تبھی دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انیسہ بیگم نے اسے نادیہ کے گھر بھجوا دیا۔ وہ جوان بیٹی کو آنکھوں کے سامنے مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

یہ الگ بات تھی کہ اپنے اس غم کے بعد انہیں خود اپنے ہی گھر میں بہت سی مصیبتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ حالات آہستہ آہستہ معمول پر آتے جا رہے تھے، مگر علیزہ کا اب اپنے گھر جانا ممکن نہیں رہا تھا۔ لہٰذا نادیہ کی شادی حماد جیسے سلجھے ہوئے بہترین انسان کے ساتھ طے ہونے کے بعد جب قدرتی طور پر ہی اس کا مس کریج ہو گیا تو وہ عمر کاظمی کے ساتھ اس کے گھر چلی آئی۔ انیسہ بیگم اس کے پل پل کی خبر رکھے ہوئے تھیں۔ علی رضا کے متعلق اس نے سنا تھا کہ وہ باہر چلا گیا تھا۔ اب تو اس کے تصور سے بھی گھن آتی تھی اسے۔ اپنی ماں اور گھر والوں کے ساتھ جو کچھ اس نے کیا تھا، اس کے لیے بھی وہ خود کو قطعی معاف کرنے کو تیار نہیں تھی۔

❁

''ثانیہ......''

وہ کمرے سے نکل رہی تھی جب صحن میں تنہا بیٹھی ثانیہ کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھ آئی۔ جواب میں ثانیہ نے تنفر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے رخ پھیر لیا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے ثانیہ......"

وہ نرمی سے بولی تھی مگر ثانیہ کے لہجے میں جیسے انگارے دہک رہے تھے۔

"اب بھی کچھ کرنے، کہنے کو باقی رہ گیا ہے...... کیوں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئی ہو میری زندگی کے......"

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہاری زندگی کے پیچھے پڑنے کا...... یہ تم ہو جو خود اپنے لیے مصیبتیں اکٹھی کر رہی ہو...... دیکھو میری طرف...... ایک عشق نے کیا سے کیا حال بنا دیا میرا، اور تم ...... تمہیں تو تمہارے مرد کی عزت اور محبت دونوں حاصل ہے، پھر بھی ناشکری کرتی ہو تم...... بہت نقصان اٹھاؤ گی ثانیہ، بہت نقصان اٹھاؤ گی......"

"بددعا دے رہی ہو تم مجھے......"

"نہیں ...... سمجھا رہی ہوں، یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ عمر صرف اور صرف تمہارا ہے...... وہ صرف تم سے پیار کرتا ہے...... اس کا ذہن خراب مت کرو ثانیہ...... اسے اتنی محبت، سکون اور اعتبار دو کہ وہ چاہے بھی تو تمہارے سوا کسی کے بارے میں نہ سوچ سکے ...... خدا کا واسطہ ہے تمہیں، میری بات مان لو...... ورنہ غصے میں آ کر اگر اس نے کوئی غلط قدم اٹھا لیا تو بہت پچھتاؤ گی تم...... پلیز مان جاؤ میری بات......"

وہ اس کے سامنے رو پڑی تھی۔ ثانیہ کچھ سوچتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی، چپ چاپ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

❁

تمہیں جب روبرو دیکھا کریں گے
یہ سوچا ہے بہت سوچا کریں گے
نظر میں چودھویں کا چاند ہوگا
سمندر کی زباں بولا کریں گے
تمہارا عکس جب اترے گا دل میں
بدن میں آئینے ٹوٹا کریں گے
بچھڑنا ہے تو یہ طے کر لیں اب سے

جدائی کا سفر تنہا طے کریں گے

مسلسل تیز بارش نے ہوا میں موجود خنکی کو بڑھا دیا تھا۔

مگر وہ جیسے خود اپنے آپ سے بے نیاز بس چلتی جا رہی تھی۔

عمر کاظمی کے قدم اس کے قدموں کے ساتھ اٹھ رہے تھے۔

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا علیزہ......"

بہت دیر خاموشی کے بعد اس نے کہا تھا۔

علیزہ کے آنسو اس کی پلکوں کے گوشوں میں جھلملاتے رہے۔

"کس بات کا؟"

"وہی سیکنڈ میرج والی...... میں نے کہا تھا کہ میں تم سے سیکنڈ میرج کرنا چاہتا ہوں......"

"لیکن میں تم سے سیکنڈ میرج نہیں کرنا چاہتی......"

"کیوں...... کیوں علیزہ......؟"

وہ جیسے مچلا تھا اس کے جواب پر۔

علیزہ نے اپنے بڑھتے قدم روک دیئے۔

"کیوں...... شاید میں تمہیں اس کیوں کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے پاؤں، لیکن اتنا ضرور کہوں گی عمر، محبت کی تتلی تم مردوں کے لیے، بھلے پیار کے موسم کی محتاج ہو، مگر عورت خزاں کی رت میں بھی اسے اپنے سینے سے لگا کر رکھتی ہے، چاہے عمر بیت جائے اس کی، وہ محبت کے محور کے گرد چکر کاٹتی رہتی ہے، تم مرد لوگ یکسانیت سے اکتا جاتے ہو، مگر ہم عورتیں، ہم ایک بار جہاں پڑاؤ ڈال لیں، پھر ساری عمر، اس بستی کی یاد ہمارے دل میں بستی ہے، ابھی میری یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی، لیکن میں اتنا ضرور سمجھتی ہوں کہ خود ایک عورت ہو کر میں کسی دوسری عورت کا گھر اور دل نہیں اجاڑ سکتی......"

"یار میں سیکنڈ میرج کی بات کر رہا ہوں اسے گھر سے نکال تو نہیں رہا، اور پھر یہ مما کی بھی خواہش ہے، بچپن سے ہی انہوں نے تمہیں میری دلہن کے روپ میں دیکھا ہے، ان کی خواہش کا مان ہی رکھ لو......"

"نہیں ...... یہ ممکن نہیں ہے اب......"

"کیوں...... کیوں ممکن نہیں ہے، جب تمہاری زندگی میں دوسرا کوئی مرد نہیں، کوئی آسرا کوئی ٹھکانہ نہیں، پھر میرا ہاتھ تھامنے میں کیا قباحت ہے......؟"

وہ اب احتجاج کر رہا تھا۔

علیزہ تیزی سے برستی بوندوں کو اپنے وجود پر جھیلتی رہی۔

''ہاں میں بے آسرا، بے ٹھکانہ ہوں۔ آندھی میں درخت سے جدا ہو کر، لوگوں کے پاؤں میں روندے جانے والے پتے کی مانند ہوں...... میں جانتی ہوں عمر کہ میرا جرم محبت ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس جرم کی معافی، دنیا کے کسی قانون، کبھی زندگی میں ایک ایسا موڑ، جہاں پہنچ کر زندگی آپ کے لیے کوئی معانی نہیں رکھتی، جہاں چلتی دھڑکنیں بس زندہ ہونے کا پتہ دیتی ہیں، زندگی کا احساس نہیں بخشتیں محبت کے کچھ ایسے مسافر کہ جن کی جھولی میں عمر سے لمبی مسافت کے بعد بھی گرد اور پتھر ہی آتے ہیں، کوئی سنہری خواب کی تعبیر بھی نہیں بخشتی انہیں محبت...... مگر میں قدرت کے اس فیصلے پر بھی راضی بارضا ہوں، کیونکہ...... یہ آگ میں نے خود ہاتھ بڑھا کر اپنی مٹھی میں بھری تھی۔ میرے سوہنے رب نے میرے نصیب میں نہیں لکھی تھی، بہت سگنل دیے تھے اس نے مجھے بچ جانے کے، مگر...... میں نے خود ہی اس طوفان کے سپرد ہو جانے کی ضد کر لی تھی، پھر...... خیر تم اچھے لڑکے ہو، بہت اچھے، اس کا غم مت کر، میں تو تمہاری زندگی میں فقط اک ''راہ'' ہوں، ایک ایسی راہ جو کسی منزل تک لے کر نہیں جاتی''

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

عمر کاظمی بہت دکھ بھرے تاثر کے ساتھ کھڑا اسے دیکھتا رہا جب اس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر عمر کی آنکھوں کے کنارے سے ایک ایک آنسو چن کر اپنی انگلی کی پور پر اتارا، پھر دھیرے سے مسکرا کر تیزی سے واپس پلٹتے ہوئے لمحہ بہ لمحہ اس سے دور ہوتی چلی گئی، بارش کی شدت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی مگر وہاں بھری برسات میں سڑک کنارے اکیلے کھڑے عمر کاظمی کی آنکھوں میں دھندسی شدت ضرور بکھر گئی تھی!

❁

سالار کی طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی تھی!

سارب اس وقت میٹنگ میں تھا جب اسے سالار کی بھابھی کی طرف سے کال موصول ہوئی، ایک لمحے کے لیے اسے لگا جیسے اس کی اعصاب سن ہو گئے ہوں۔ سالار کو گرم ہوا کا چھونا بھی اسے قبول نہیں تھا، لہٰذا اطلاع ملتے ہی وہ میٹنگ چھوڑ کر فوراً ہوسپٹل کی طرف بھاگا تھا۔

''بھابھی......''

ہوسپٹل پہنچ کر کوریڈور میں ہی اسے سالار کی بھابھی اور بہن مل گئیں تو وہ ان کی

طرف دوڑا آیا۔

''کہاں ہے سالار......؟''

پریشانی کے ساتھ ساتھ اس کی سانس بھی پھول رہی تھی۔ جب بھابھی نے اسے بتایا۔

''ایمرجنسی وارڈ میں ہے، پتہ نہیں سارب کیا ہو گیا ہے اسے، جب سے تمہاری شادی ہوئی ہے، بجھ کر رہ گیا ہے وہ، سارا سارا دن، کمرہ بند کر کے پڑا رہتا ہے، تین تین دن کھانا نہیں کھاتا، اب بھی رات سے بے ہوش فرش پر پڑا تھا، ہمیں تو صبح پتہ چلا......''

وہ زخموں پر نمک پاشی کر رہی تھی

سارب علی ہمدانی کو لگا اس کی سانس سینے میں گھٹ کر رہ جائے گی۔

''تم...... میں دیکھتا ہوں اسے آپ ٹینس مت ہوں......''

بوجھل اعصاب کے ساتھ غیر متوازن لہجے میں کہتا، وہ ایمرجنسی وارڈ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ وہاں جا کر اسے پتہ چلا کہ سالار نے نیند کی گولیاں ضرورت سے زیادہ مقدار میں کھا کر ایک طرح سے خود کو نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کی تھی، مگر ''جسے اللہ اُسے کون چکھے'' کے مصداق وہ بچ گیا تھا۔

اُس روز سالار کے room میں شفٹ ہونے کے بعد رات میں وہ گھر واپس آیا تو رُحاب کو لاؤنج میں اپنا منتظر پایا۔

نگاہ اُس پر پڑتے ہی سارب کو لگا جیسے اُس کے پورے بدن میں زہر اُتر گیا ہو، کس قدر منافق اور گھٹیا لڑکی تھی وہ کہ محبت کے خواب کسی اور کو دکھا کر اپنا گرویدہ کیا اور شادی کسی اور سے رچا لی۔

اپنی بھابھی کے کردار کی وجہ سے وہ عورت ذات سے ویسے ہی متنفر تھا، اب رُحاب کی طرف سے دل میں پیدا ہونے والی غلط فہمی نے اُسے اِس صنف سے مزید بدگمان کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ بنا اُس پر کوئی نگاہ ارادتاً ڈالے، وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

رُحاب اُس کی بے اعتنائی محسوس کرنے کے باوجود فوراً اُس کے پیچھے آئی تھی۔

''آج بہت لیٹ ہو گئے آپ، خیریت تھی......؟''

خالص بیویوں والے انداز میں وہ اُس سے پوچھ رہی تھی۔

سارب نے کوٹ اُتار کر زور سے صوفے پر پھینک دیا۔

''خیریت ہونا ہو، میں جلد یا دیر سے گھر آنے کیلئے تمہارے سامنے جواب دہ

نہیں ہوں......"

پہلی بار اُس کے لہجے میں بیگانگی کے ساتھ ساتھ ازحد تلخی بھی تھی۔

رُحاب نے بے حد سُبکی محسوس کی۔

"آپ بھول رہے ہیں مسٹر سارب ہمدانی میں آپ کی بیوی ہوں......"

"شٹ اپ......"

اُس کے سرد لہجے میں احساس دلانے پر وہ چلایا تھا۔

"ایک ان چاہی عورت ہو میری زندگی میں تم ......اور کچھ نہیں، سمجھی......؟"

"نہیں سمجھی، اِن چاہی عورت تھی تو کیوں شامل کیا اپنی زندگی میں؟ کوئی زبردستی تو نہیں ہوئی تھی ناں آپ کے ساتھ، پُورے ہوش وحواس کے ساتھ قبول کیا تھا آپ نے مجھے، پھر ......نکاح کے فوراً بعد کیڑے کیوں نکل آئے مجھ میں......؟"

اُس کی برداشت کی حد بھی ختم ہو چکی تھی۔

سالار نے ایک جھٹکے سے اُسے سائیڈ پر دھکیل دیا۔

"تھکا ہُوا ہوں میں، تمہاری بک بک سُننے کی ہمت نہیں ہے......"

کوئی کہہ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایک نو بیاہتا جوڑا ہے۔

رُحاب کے لیے اُس کی اِس درجہ نفرت سمجھ سے باہر تھی۔ وہ بیڈ پر اوندھے منہ گری تھی۔

"سارب......"

اِس سے پہلے کہ وہ واش روم میں گھستا وہ اُٹھ کر پھر اُس کے سامنے چلی آئی۔

"ختم کرو اِس کھیل کو آج، آپ کو نفرت ہے ناں مجھ سے، میں ان چاہی عورت ہوں ناں آپ کی زندگی میں، تو ٹھیک ہے، جا رہی ہوں میں واپس اپنے باپ کے گھر، کوئی شوق نہیں ہے مجھے کسی شخص کی زندگی میں un-wanted شخص بن کر رہنے کا۔"

وہ چلا رہی تھی۔

سارب نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"I don't care"

وہ اس وقت جذبات کی یلغار میں تھا۔ رحاب کو لگا جیسے اس کا سب کچھ لمحوں میں ختم ہو گیا ہو۔

اس کے آنسو دکھ کی شدت سے پلکوں پر ہی اٹک گئے تھے۔

"او کے......"

غم کا پھندا اس کے حلق میں پھنس گیا تھا۔

سارب نگاہ چرا کر، دل کا درد دباتا، واش روم میں گھس گیا۔

رحاب اپنا مختصر سا سامان پیک کر کے جس وقت کمرے سے باہر آئی، موسم بے حد خراب ہو رہا تھا۔ تیز ہوا کے جھکڑ اور بارش کی بوندیں، وہاں لاؤنج میں بھی اچھا خاصا شور بپا کر رہی تھیں، اسے اس موسم سے خوف آتا تھا، ہمیشہ ایسے موسم میں وہ دبک کر اپنے کمرے میں بیٹھ جاتی تھی، مگر اس وقت دل کا درد حد سے سوا ہو رہا تھا، لہٰذا خود کو گھسیٹتی وہ لاؤنج سے بھی باہر نکل آئی۔

گھر کے باقی افراد غالباً سو چکے تھے، کسی کو بھی خبر نہیں تھی کہ اس وقت وہ کس عذاب کے عالم سے گزر رہی تھی، کڑکتی بجلی اور پتھروں کی مانند زمین پر پڑتی بارش کی تیز بوندیں اس کے اندر روبے فطری خوف کو اجاگر کر رہی تھی، مگر...... وہ خود سے بے نیاز سی چلتی رہی۔

اتنے خراب موسم میں نہ کوئی راستہ نظر آ رہا تھا، نہ دماغ کام کر رہا تھا۔

لوہے کا بھاری گیٹ کھول کر دھکیلتے ہوئے وہ بری طرح ہانپ گئی تھی۔

سارب اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، اس کا دل اس لمحے لہولہو ہو رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

وہ جانتا تھا کہ اس وقت رحاب کو کوئی سواری نہیں ملے گی، لہٰذا وہ لوٹ کر واپس گھر ہی آئے گی مگر...... وہ لوٹ کر واپس گھر نہیں آئی تھی، وہ سڑک کے کنارے کھڑی، کسی نہ کسی سواری کے گزرنے کا لاحاصل انتظار کرتی، بارش میں بھیگتی رہی تھی۔

سارب پورے پون گھنٹے برداشت سے کام لیتا اس کے واپس پلٹنے کا انتظار کرتا رہا تھا، بعدازاں اس کی ہمت جواب دے گئی تو کمرے سے نکل کھڑا ہوا، وہ ہنوز سڑک کنارے کھڑی بری طرح کپکپا رہی تھی۔

"چلو گھر......"

اس کے قریب پہنچ کر خاصی برہمی سے اس نے کہا تھا، مگر رحاب روتے ہوئے سنی ان سنی کر گئی۔ تب اس نے زبردستی اس کا بیگ چھینا پھر اسے بازو سے پکڑ کر تقریباً کھینچتے ہوئے بیڈ روم میں لایا تھا۔ بارش میں بھیگنے کے باعث نہ صرف وہ کپکپا رہی تھی بلکہ بھرپور عیاں بھی ہو رہی تھی، وہ اس کے سراپے سے نگاہ چراتا، بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"مت تماشہ بناؤ میرا، خدا کا واسطہ ہے تمہیں......"

ضبط کی شدت سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

رحاب وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔

''میں تماشہ بنا رہی ہوں تمہارا کہ تم میرا تماشہ بنا رہے ہو......؟''

غصے کی شدت میں آپ جناب کا تکلف ختم ہو گیا تھا

سارب نے اٹھ کر اسے زبردستی فرش سے اٹھا دیا۔

''چلو کپڑے Change کرو اٹھ کر، میرے سر میں پہلے ہی بہت درد ہے، میں اس وقت تم سے کسی بھی قسم کے جھگڑے کا متحمل نہیں ہو سکتا......''

اس کی برداشت واقعی جواب دے رہی تھی۔ رحاب ایک نظر اپنے سراپے پر ڈال کر فوراً اٹھ کھڑا ہوئی۔ وہ کپڑے تبدیل کر کے آئی تو سارب بہت حد تک خود کو سنبھال چکا تھا، اس کے اپنے کپڑے بھی بارش میں بھیگ چکے تھے، مگر اس نے کپڑے تبدیل کرنے کی بجائے صرف شرٹ اتار دی۔

''سو جاؤ اب چپ چاپ صبح جہاں دل چاہے چلی جانا، کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں ہوگا تمہیں......''

بیڈ پر نیم دراز ہوتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

رحاب صوفے پر بیٹھ کر گھٹنوں میں منہ چھپاتے ہوئے دیر تک روتی رہی۔

......❁......

......اذیت اپنی قسمت تھی اذیت سے نہیں نکلے

......جدا ہو کر بھی ہم دونوں محبت سے نہیں نکلے

......انا کے دائرے میں تھے سو اک دوجے کو کھو بیٹھے

......مگر پھر عمر بھر دونوں ملامت سے نہیں، نکلے

......قدم چوکھٹ پہ رکھتے ہی یہ بازو پھیل جاتے ہیں

......محبت سے نکل آئے ہیں، عادت سے نہیں نکلے

......بہت ممکن تھا رک جاتے، پکارا ہی نہیں تم نے

......تیرے کوچے سے ہم اتنی بھی عجلت میں نہیں نکلے

......میرے جذبات اب ہمدم میرے بس میں نہیں رہتے

......کئی آنسو تیری خاطر، اجازت سے نہیں نکلے!

بھری بارش میں شکستہ قدموں کے ساتھ جس وقت وہ گھر میں داخل ہوئی، اس کا سر بے حد بھاری ہو رہا تھا۔

ڈرائینگ روم میں مختلف آوازوں کا اٹھتا شور یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس وقت گھر میں مہمان تھے، وہ اس وقت صرف اور صرف اپنے کمرے میں جا کر سونا چاہتی تھی، مگر اس سے پہلے کر وہ اپنے کمرے میں گھستی، کچن سے نکلتی رحاب کا سامنا اس سے ہو گیا، وہ اس وقت بہت معروف دیکھائی دے رہی تھی۔

''آ گئیں تم......؟ یار کہاں چلی گئی تھیں، سیل بھی ساتھ لے کر نہیں گئیں......''

اس کے ہاتھ میں بریانی کی ٹرے تھی

رحاب کو ناچار رک کر اسے جواب دینا پڑا۔

''یونہی ذرا آؤٹنگ کے لیے نکلی تھی، راستے میں عمر مل گیا تو اس سے باتوں میں لگ

گئی، گھر میں کوئی آیا ہوا ہے کیا......؟"

"ہاں...... بھائی کے دوست ہیں اور ہمارے کزن بھی آؤ تمہیں ملواتی ہوں، بہت ڈیشنگ پرسنالٹی ہے......"

"نہیں یار...... میرا حلیہ دیکھو، ابھی Change کر کے ریسٹ کروں گی......"

"کرتی رہنا ریسٹ بھی کپڑے بدلو اور چلو، شاباش...... صرف ہیلو ہائے کر کے واپس آجانا۔"

رُحاب کا اصرار بڑھا تھا۔

علیزہ خود کو از حد مجبور محسوس کرتی اثبات میں سر ہلا گئی۔

کپڑے بدل کر جس وقت وہ رُحاب کے ہمراہ ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی اس کی ٹانگیں بری طرح کپکپا رہی تھیں۔ اس وقت وہاں رُحاب کے بھائی کے ساتھ ساتھ اس کی مما بھی موجود تھیں۔ وہ قلمی شکستہ اعصاب کے ساتھ، سامنے بیٹھے، قہقہے لگاتے ہوئے جس شخص سے ملی تھی جو اپنے حلیے سے ہی بے حد رئیس کبیر ظاہر ہو رہا تھا۔

رُحاب نے اسے ڈیشنگ کہا تھا، مگر وہ شخص حسن و وجاہت کی انتہا پر تھا۔

علیزہ قدرے کنفیوژ ہوتی رُحاب کے ساتھ ہی صوفے پر ٹک گئی۔

"ریان بھائی یہ علیزہ ہے، میری بہت پیاری دوست بتایا تھا ناں میں نے آپ کو......؟"

اس کا ہاتھ تھام کر رُحاب نے بہت اچھے انداز میں اس کا تعارف کروایا تھا۔

ریان کی پُرشوق نگاہیں اس کے سراپے پر جم گئیں۔

"ہوں...... نائیس ٹو میٹ یو مس علیزہ......"

مقابل بیٹھے شخص کی آنکھوں میں ہوس نہیں عقیدت تھی۔

علیزہ نے پل کے پل سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے کی ہمت کی تھی۔

"می ٹو......"

"تھینکس......"

وہ اب مسکرا رہا تھا، تبھی عائشہ بیگم بولی تھیں۔

"آج کی رات تو یہیں قیام کرو گے ناں ریان......؟"

"جی پھوپھو...... ارادہ تو یہی ہے......"

وہ شکل سے ہی بے حد خوش اخلاق دکھائی دے رہا تھا۔

سعد اور رُحاب کے ساتھ ساتھ عائشہ بیگم بھی اس کی رضامندی پر مسرور ہو گئیں۔

"اچھی بات ہے، سچ مانو تو جب بھی تم یہاں وقت گزارتے ہو، مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے، کیونکہ جہاں تمہارا چہرہ مجھے میرے اپنوں کے قریب ہونے کا احساس دلاتا ہے، وہیں تمہاری کمپنی میں، میرے بچوں کی خوشی بھی مجھے بہت مسرور کر دیتی ہے......"

عائشہ بیگم بہت جذب کے عالم میں کہہ رہی تھیں۔

علیزہ کا دھیان فوراً امیہ بیگم کی طرف چلا گیا۔ اپنی ماں کی طرف...... جن کی قربت اور پیار وہ اپنی بدقسمتی سے کھو چکی تھی۔

ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملائے تھے اور وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ایکسکیوزمی......"

"علیزہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے......"

اس کے فوری اٹھنے پر رُحاب نے بروقت صفائی پیش کی تھی۔

ریان نے اثبات میں سر ہلا کر اس کی ایکسکیوز قبول کر لی۔

❁

جس وقت وہ سو کر اٹھی اس کی طبیعت کسی حد تک فریش ہو چکی تھی۔

وہ ابھی اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ رُحاب اس کے کمرے کا دروازہ آہستہ سے لاک کرتے ہوئے اندر چلی آئی۔

"السلام علیکم...... اب کیسی طبیعت ہے جناب......؟"

"ٹھیک ہوں......"

اس کی مسکراہٹ کے جواب میں وہ بس لب ہی پھیلا سکی تھی۔

رُحاب بیڈ پر اس کے پہلو میں ہی ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"کچھ خبر ہے کہ شام ڈھل رہی ہے...... اور اوپر ٹیرس پر اتنا پیارا موسم ہو رہا ہے کہ حد نہیں، تم کب تک نکلو گی بستر سے......؟"

اس کا موڈ اس وقت بہت فریش ہو رہا تھا۔

علیزہ نے آہستہ سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"تم کہو تو ابھی چلے چلتے ہیں......"

"ہاں ناں یار...... میں بہت بور ہو رہی ہوں، ریان بھائی اور سعد بھائی، وہاں لان

میں بیڈ منٹن کھیل رہے ہیں، مما حسب عادت مطابق ٹیبلٹ لے کر اپنے کمرے میں بند ہو گئیں ہیں اور ادھر تم ہو کہ گدھے گھوڑے بیچ کر سو رہی ہو، ایک بیچاری میں، ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے اکیلی سارے گھر میں گھومتی پھر رہی ہوں......"

بچوں کی طرح منہ بسورتی وہ کہہ رہی تھی!

علیزہ اس کے انداز پر مسکرا دی۔

"رُحاب بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں......"

"ہوں پوچھو......"

وہ آج کچھ بھی بُرا ماننے کی پوزیشن میں نہیں تھی، تبھی علیزہ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھ لیا۔

"کیا آنٹی کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے، آئی مین......وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں بند رہتی ہیں، میں نے انہیں زیادہ بولتے یا گھر میں چلتے پھرتے نہیں دیکھا......؟"

"ہاں...... یہ تو ہے، اصل میں پاپا کی ڈیتھ کے بعد امی کمرہ نشین ہو گئی ہیں، بلڈ پریشر کا مسئلہ الگ ہو گیا ہے، نیند کی گولیاں پھانک پھانک کر ایک طرح سے خود کو مریضہ بنا لیا ہے انہوں نے......"

"کیوں...... میرا مطلب ہے وہ ایسا کیوں کر رہی ہیں......جبکہ حادثے تو بہت سارے انسانوں کے ساتھ ہوتے ہیں، اگر انسان ان حادثوں کا اثر لے کر خود کو ضائع کرنا شروع کر دے تو پھر شاید کوئی زندہ ہی نہ رہے......"

"ہوں......لیکن یہ انسان کی فطرت اور مزاج پر ڈی پینڈ کرتا ہے کہ وہ اپنے ساتھ ہونے والے حادثوں کو کیسے لیتا ہے، امی کی دراصل ابو کے ساتھ محبت کی شادی تھی، دونوں نے ایک دوسرے کو اپنانے کے لیے اپنے اپنے خاندان کی رسوم و رواج سے بغاوت کرتے ہوئے، اپنا اپنا گھر چھوڑ دیا تھا، مگر وہ کہتے ہیں ناں علیزہ، خوشیوں کے جو محل، آنسوؤں اور اپنے بزرگوں کی دل آزاری پر تعمیر ہوں وہ کبھی پائیدار ثابت نہیں ہوتے، بہت جلد ڈھے جاتے ہیں، ممی لوگوں کے ساتھ بھی یہی ہوا، میں ابھی چند سال کی تھی کہ ایک حادثے میں پاپا کی ڈیتھ ہو گئی۔ ان کے جانے کے بعد امی کے پاس نہ آگے بڑھنے کا کوئی راستہ تھا نہ پیچھے لوٹنے کا، لہٰذا بھائی کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے تک زندگی کی صعوبتوں کو بڑے تلخ انداز میں اپنی جان پر جھیلا ہے میری ماں نے، حالانکہ پاپا کی ڈیتھ کے تقریباً اڑھائی سال کے بعد انہوں نے اپنے ایک امیر کبیر کلاس فیلو

سے دوسری شادی بھی کر لی تھی، تاکہ ہمیں اچھا مستقبل فراہم کر سکیں، مگر وہ شخص بھی وفا نہیں کر سکا ان سے ان فیکٹ......پاپا کی محبت میں چور چور میری ماں خود ہی اس شخص سے سمجھوتہ نہیں کر سکی جو ہمیں اپنے گھر میں صرف اپنی عیاشی کے لیے سمجھو تماشہ بنا کر لے کر گیا تھا......"

رُحاب کے لہجے میں ہلکے سے دکھ کے ساتھ ساتھ تلخی کی بھی آمیزش تھی۔

علیزہ چپ چاپ اسے سنتی رہی۔

"خیر، چھوڑو ان باتوں کو، چلو ٹیرس پر چل کر بھائی لوگوں کی گیم انجوائے کرتے ہیں......"

ایک لمحے میں اپنا موڈ تبدیل کیا تھا اس نے۔

علیزہ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مار کر اس کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آئی۔

"واؤ......موسم تو واقعی بہت سہانا ہو رہا ہے، پہلے کیوں نہیں اٹھایا تم نے مجھے......؟"

ٹیرس پر آتے ہی بارش کے بعد چلنے والی ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں کو اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے اس نے رُحاب سے کہا تھا۔ جب وہ بولی۔

"بس یار......تم بہت اپ سیٹ تھیں، میں نے سوچا اچھی طرح سو کر ریلیکس ہو جاؤ تو اٹھاؤں گی، ویسے تم اپ سیٹ کیوں ہو علیزہ......؟"

ٹیرس کے جنگلے سے کہنیاں ٹکا کر اس بار اس نے بہت توجہ سے علیزہ کے چہرے کی طرف دیکھا تھا، جس کی خوبصورت آنکھوں کے گرد بڑھتے حلقے اسے پریشان کر رہے تھے۔

علیزہ اس کے سوال پر بے ساختہ نگاہ پھیر گئی۔

"پتہ نہیں رُحاب......شاید جو غلطی تمہاری مما سے ہوئی، وہی میں نے بھی کر لی، میں نے بھی ریت پر محبت کا تاج محل تعمیر کرنے کی خواہش پالی تھی دل میں، جواب میں، ایسی منہ کے بل گری کہ اپنی پہچان بھی کھو بیٹھی، نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم......"

تلخی سے کہتے ہوئے اس نے پھیکا مسکرا کر اپنا بھرم رکھنا چاہا تھا، جواب میں اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

"محبت اور خواب ہر عورت کی کمزوری ہوتے ہیں رُحاب، اور مرد عورت کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ہمیشہ اس کا تماشہ بناتا ہے، مجھے دیکھو......صرف ایک محبت کے آسمان سے گر کر، کیسے کیسے لوگوں کی ٹھوکروں میں نہیں آئی میں......صرف ایک محبت کے درد کے حصار سے نکلنے کے لیے......اپنے آپ کو چوراہے پر رکھ دیا میں نے، صرف ایک غلطی کی سزا اتنی کڑی ملی ہے کہ ایک ایک سانس بوجھ بن کر رہ گئی ہے......"

اس بار وہ سسکی تھی۔

رُحاب نے ہاتھ بڑھا کر اسے خود سے لگا لیا......

''ایسا نہیں سوچتے علیزہ، محبت کے رنگ بڑے نرالے ہیں، اس میں جو لوگ مخلص ہوتے ہیں وہی تو عمر بھر آنسو بہاتے ہیں دکھ اٹھاتے ہیں، مجھے دیکھو میں نے خود کو پتھر کر لیا ہے، مگر...... یہ محبت پھر بھی اپنے ہر احساس کے ساتھ پلٹ کر آتی ہے تو آنکھوں سے لہو نچوڑ لیتی ہے، جو لوگ خود کو پتھر کر کے، مطمئن ہو جاتے ہیں وہ نہیں جانتے علیزہ کہ پتھروں کے نصیب میں ہمیشہ ٹھوکریں ہی آتی ہیں......''

اس کا لہجہ دھیما تھا۔

علیزہ نے اپنے آنسو پونچھ لیے۔

''سعد بھائی بتا رہے تھے تمہارے ساتھ بھی کوئی ٹریجڈی چل رہی ہے......''

''ہوں......''

''مجھے نہیں بتاؤ گی......؟''

رُحاب کے آہستہ سے رخ پھیرنے پر اس نے پوچھا تھا جب وہ بولی۔

''بتاؤں گی یار...... تمہیں نہیں بتاؤں گی تو اور کسے بتاؤں گی......''

زبردستی مسکرا کر اس نے بات ٹالنے کی کوشش کی تھی۔

''اچھا...... یہ جو ریان صاحب ہیں، کہیں ان کے ساتھ کوئی چکر وغیرہ تو نہیں چل رہا تمہارا......''

اگلے ہی پل اس نے پھر پوچھا تھا، رُحاب کی مسکراہٹ اس بار قہقہے میں تبدیل ہو گئی۔

''ارے نہیں یار...... میرا تو بھائی ہے بیچارا...... ویسے بھی ان سے سال میں بس ایک دو بار ہی سلام دعا ہوتی ہے، موصوف معروف ہی اتنے رہتے ہیں کہ بندہ فون پر بات کرنا چاہے تو نہ کر سکے......''

ہاتھ اٹھا کر ریان کو دکٹری کا نشان دکھاتے ہوئے اس نے جواب دیا تھا۔

''میرے اکلوتے ماموں کا بیٹا ہے، اب تو ماموں کی بھی ڈیتھ ہو چکی ہے، اسی لیے جب یہ یہاں آتے ہیں تو امی کو خوشی ہوتی ہے، کیونکہ پچھلے تیس سالوں میں یہ ان کے میکے کا واحد رشتہ ہے جو ان کی خبر گیری کے لیے ان کے گھر تک آتا ہے......''

اب وہ تفصیل میں اسے بتا رہی تھی۔

علیزہ نے دیکھا نیچے لان میں سعد اور ریان اپنی گیم مکمل کر چکے تھے۔

''ہوں...... اچھے انسان ہیں کم از کم دیکھنے میں تو......''

''اندر سے بھی بہت اچھے انسان ہیں، ہماری طرح انہوں نے بھی محبتوں کی بہت محرومیاں دیکھی ہیں، چھوٹے سے تھے جب ممانی کی ڈیتھ ہو گئی تھی، ماموں کی دوسری بیگم روایتی ماں ثابت ہوئیں انہوں نے بہت ظلم کیے ان پر...... بہت ٹوٹے پھوٹے سے انسان ہیں یہ اندر سے، شاید اسی لیے، آج تک شادی نہیں کی......''

رُحاب بتا رہی تھی اور علیزہ کی نگاہیں ریان کی کسی بات پر کھلکھلاتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اس کے ضبط کو سراہا رہی تھیں۔

''سعد بھائی کے ساتھ بہت دوستی ہے ان کی، بلکہ ان کی اسٹیپ مدر سے جو اکلوتی سسٹر ہیں ان محترمہ کے عشق کی وجہ سے، ریان بھائی میرے بھائی کو اور بھی عزیز ہو گئے ہیں......''

''کیا مطلب......؟''

وہ اچانک چونکی تھی جب رُحاب نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''ہاں علیزہ...... سعد بھائی ممانی کی بیٹی میں انٹرسٹیڈ ہیں، مگر...... مما کی وجہ سے وہ لوگ کسی طور پر بھائی کا رشتہ دینے پر تیار نہیں، اس لیے تو اب تک کنوارہ پھر رہا ہے میرا بھائی، بہت سمجھایا ہے میں نے اور مما نے بھائی کو وہ اپنی ضد چھوڑ دیں اور کسی اور لڑکی کو پسند کر لیں مگر، ان کا کہنا ہے کہ اگر وہ لڑکی نہیں تو پھر کوئی نہیں، مما کے اپنس ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے......''

''ہوں...... کیا ریان بھائی اس سلسلے میں کچھ ہیلپ نہیں کر سکتے......؟''

''نہیں یار...... ماموں زندہ تھے تو ان سے بات کر لیتے تھے، اپنی منوا بھی لیتے تھے، مگر...... ممانی کے سامنے کچھ کہنا انہیں گوارہ ہی نہیں...... جس عورت نے شروع سے ان کے ساتھ عتاد رکھا ہو، جانوروں سے بدتر سلوک کیا ہو، کیا وہ ان کی کسی بھی بات کو اہمیت دے گی، وہ بھی اپنی سگی، اکلوتی اولاد کے معاملے میں نہیں کبھی نہیں...... انہیں جتنی نفرت ریان بھائی کے وجود سے ہے اتنی ہی ناپسندیدگی وہ مما کے ذکر سے بھی رکھتی ہیں، حالانکہ مما نے جو قدم بھی اٹھایا اس کا کوئی اثر کم از کم ممانی کی زندگی پر نہیں پڑا، انہیں جو مسئلہ ہے وہ صرف یہی ہے کہ ماموں کی فیملی کے کسی بندے کا ان کی زندگی میں کوئی دخل نہ ہو، تاکہ ان کی وسیع جائیداد سے انہیں کسی کو کچھ دینا نہ پڑ جائے، تم دیکھو ناں علیزہ، ریان بھائی کے نام اتنی جائیداد اور زمینیں ہیں کہ انہیں خود حساب کتاب کرنے کی فرصت نہیں، کبھی گاؤں جائیں اور ان کی زمینوں کا وزٹ کریں تو

جہاں تک نظر جاتی ہے ان کی زمینیں ہی نظر آتی ہیں......" لگ بھگ اتنی ہی جائیداد ممانی کے پاس بھی ہے اور بس اسی چیز کا گھمنڈ ہے انہیں......"

"صحیح......لیکن سعد بھائی تمہاری کزن سے ان کی جائیداد کی خاطر تو محبت نہیں کرتے ہوں گے ناں......"

"ہاں یار......مگر ممانی یہ بات نہیں سمجھتیں......کاش ریان بھائی کسی تیز مزاج پٹاخہ لڑکی سے شادی کریں اور وہ ممانی کا دماغ سیٹ کر کے رکھ دے، تب بات بن سکتی ہے......"

"ہائے گرلز......"

رُحاب کی بات ابھی ختم ہوئی تھی کہ ریان وہاں چلا آیا، دیر تک گیم کرنے کی وجہ سے اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ رُحاب نے اس کی پکار پر فوراً پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہائے......مبارک ہو بہت بہت......آج پھر سعد بھائی سے جیت گئے آپ......"

"بس یار......کبھی غرور نہیں کیا......"

چہرے سے پسینہ پونچھتا وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"چائے لاؤں......؟"

"ہوں...... پکوڑے بھی لے آنا ساتھ ہیں جب تک تمہاری دوست کا انٹرویو کر لیتا ہوں میں......"

رُحاب کی آفر پر فوراً اس نے فرمائش کی تھی۔

وہ مسکرا کر علیزہ کا ہاتھ دباتی فوراً سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"اور مس علیزہ......سنائیں کیسی ہیں آپ......؟"

وہ قدرے کنفیوژ ہو رہی تھی جب اس کے سوال پر بوکھلاتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہوں الحمدللہ......"

"چلیں اچھی بات ہے، ابھی کچھ گھنٹے قبل رُحاب بتا رہی تھی کہ آپ کی طبیعت ناساز تھی، اسی لیے پوچھ رہا تھا......"

"جی سر میں کچھ درد تھا، اب ٹھیک ہوں۔"

"گڈ......کیا کر رہی ہیں آج کل......سنا ہے سعد کے ساتھ جاب کرنے کا ارادہ ہے۔"

"جی......"

"شوقیہ کرنا چاہ رہی ہیں یا......؟"

وہ سوال پہ سوال کر رہا تھا، علیزہ نے اس بار نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ کا دوسرا خیال درست ہے، میں اب شوقیہ کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں، رُحاب نے بتایا ہی ہوگا آپ کو......"

"ہوں......زیادہ تفصیل میں کچھ نہیں بتایا اس نے، بس یہی کہا تھا کہ آپ کی شادی ناکام ہو گئی تھی، اور شادی بھی وہ، جس میں آپ کے اپنوں کی رضا شامل نہیں تھی......"

"جی......"

"اگر آپ مجھ پر ٹرسٹ کریں تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کی شادی ناکام کیوں ہوئی......؟"

وہ اس کا درد جاننا چاہ رہا تھا۔

علیزہ ہزار کوشش کے باوجود اپنی پلکوں کو بھیگنے سے نہ روک سکی۔

"میری قسمت میں یہی لکھا تھا کہ میں ایک رانگ Person سے وفا کی امید رکھوں اور منہ کی کھاؤں......"

"نہیں مس علیزہ......انسان اپنے کسی بھی عمل پر تقدیر کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتا، اس طرح کے معاملات میں ہمارے ساتھ جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کی وجہ ہم خود ہوتے ہیں، ہماری تقدیر نہیں، کیونکہ، تقدیر کا ہماری تدبیر میں کوئی عمل دخل ہے ہی نہیں، جب انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات قرار دے کر تمام مخلوقات سے افضل کر دیا تو اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے ہر عمل میں کچھ نہ کچھ اپنی سوجھ بوجھ سے بھی کام لے، اور جہاں تک خواتین کی بات ہے تو عورت کو تو ویسے بھی قدرت نے اس طرح کے معاملات میں بڑی ایکسٹرا ذہانت سے نوازہ ہے، وہ تو مرد کی محض ایک نظر سے اس کا ارادہ جان لیتی ہے، پھر آپ کو اپنی حماقت کا پتہ کیوں نہ چل سکا......"

"پتہ نہیں......شاید جذبات کے معاملے میں ہر عورت ہمیشہ اندھی ہو جاتی ہے، اسے پتہ ہی نہیں چلتا کہ کن آنکھوں میں اس کے لیے احترام ہے اور کن آنکھوں میں صرف تحقیر......"

"نہیں...... میں آپ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا، بہر حال آگے کیا سوچا ہے آپ نے؟

آئی مین، صرف ایک محبت کی ناکامی پر اپنا جیون تو تج کر نہیں بیٹھ سکتیں ناں آپ؟"

کتنا اپنا اپنا سا لگ رہا تھا وہ اس کی فکر کرتے ہوئے۔

علیزہ کے آنسو اس کے گالوں پر لڑھک آئے۔

"صرف ایک محبت کی ناکامی نہیں ریان صاحب...... جان بوجھ کر خود کو ذلت کے گڑھے میں دھکیلا تھا میں نے، جان بوجھ کر اپنے پیارے رشتوں کو امتحان میں ڈال کر ہمیشہ کے لیے کھو دیا تھا میں نے، اپنی اندھی، خواہشات کی تقلید میں، بنا اپنے کمزور نفس سے کوئی احتجاج کیے، میں نے خود اپنے لیے آنسو خریدے تھے، صرف ایک سچے پیار کی آرزو میں، دیکھیے خود کو راہ کا پتھر بنا لیا میں نے، جس کا دل چاہے ہاتھ میں اٹھائے جس کا دل چاہے اٹھا کر پھینک دے......"

نم پلکوں کے ساتھ، لبوں پر بھیگی سی مسکان نے ریان جعفری کا دل جیسے موہ لیا تھا۔

"محبت عورت کی زندگی ہوتی ہے ریان صاحب ایک بار قدم غلط راستے پر پڑ جائے تو پھر ساری زندگی آنسوؤں کے سمندر کی نذر ہو جاتی ہے، ایک بھول محض ایک غلطی بھی معاف نہیں کی جاتی عورت کی، ایک بار قدم غلط راستے پر پڑ جاتے...... بس...... آگے زندگی کی آخری سانس تک پھر دھول ہی دھول ملتی ہے اسے...... سو بار مر مر کے جیتی ہے، سو بار جی جی کر مرتی ہے......"

نگاہ سائیڈ پر پھیرے وہ، بہت دل گرفتگی سے کہہ رہی تھی۔

ریان گہری نگاہ سے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔

"بہرحال...... میں نے اپنی غلطی سے سبق ضرور سیکھا ہے مگر میں اس غلطی کو روگ بنا کر نہیں جیوں گی۔ جب تک سانسوں کا رشتہ جڑا ہے، میں سب کچھ سہہ کر بھی بہادری سے جینے کا عزم رکھتی ہوں......"

بائیں ہاتھ سے چہرہ رگڑتے ہوئے اس نے پھر نگاہ اٹھا کر ریان کی آنکھوں میں دیکھا تھا مگر اگلے ہی پل فوراً نگاہ جھکا گئی تھی۔

"ویری گڈ...... شادی وادی کا کیا پروگرام ہے......؟"

"کوئی پروگرام نہیں، ایک ٹھوکر ہی کافی ہے......"

"ہر بار ٹھوکر لگے یہ ضروری تو نہیں......"

"ہوں...... مگر زندگی سے میں نے جو سبق سیکھا ہے وہ یہی ہے کہ اس روئے زمین پر مرد سے بڑھ کر، جھوٹا اور منافق اور کوئی نہیں......"

"سوری...... میں آپ کی اس رائے سے بھی اتفاق نہیں کرتا......"

وہ اب مسکرا رہا تھا۔

علیزہ گہری سانس بھرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آئی ڈونٹ کیئر، اب کسی کی رائے، کسی کے الفاظ سے فرق نہیں پڑتا......"

"کیوں...... پتھر ہو گئی ہیں کیا......؟"

"ہوں...... اسی لیے تو دنیا کی ٹھوکروں میں آ گئی ہوں......"

"اچھا بیٹھیں ناں پلیز...... مجھے اچھا لگ رہا ہے آپ سے بات کرنا......"

اس کی آہ کو اہمیت دیے بغیر وہ بولا تھا۔ جب علیزہ نے کہا۔

"نہیں، میرا خیال ہے مجھے نیچے چل کر کچن میں رُحاب کی ہیلپ کرنی چاہیے......"

"ارے چھوڑو یار، اب کیا ہیلپ کرو گی تم...... میں بنا کر بھی لے آئی سب کچھ......"

گرم گرم پکوڑوں کے ساتھ، پودینے کی چٹنی اور چائے کی ٹرے لیے وہ اس کے پیچھے سے نمودار ہوئی تھی۔

علیزہ کو لاچار پھر بیٹھنا پڑا۔

"جیؤ کزن قسم سے سگھڑاپہ تو ختم ہے تم پر، مجھے ملے ناں وہ سارب کا بچہ تو اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دوں اُس کی......" ایک پکوڑا اُٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے ریان نے اپنے Comments پاس کیے تھے۔

رُحاب کے فریش چہرے پر ایک دم سے سنجیدگی بکھر گئی۔

"ہر جگہ اس شخص کا ذکر ضروری نہیں ہے ریان......"

"اوکے سوری بابا...... ایک تو تم لڑکیوں کو کچھ کہہ دو تو سیدھی حلق سے پکڑنے آتی ہو، خیر سعد کیا کر رہا ہے......؟"

"پتہ نہیں، ابھی ابھی گھر سے نکلے ہیں کسی رپورٹنگ وغیرہ کے سلسلے میں......"

رُحاب کرسی گھسیٹ کر علیزہ کے برابر ہی بیٹھ گئی تھی۔

"ہوں، اور سناؤ آج شام کا کیا پروگرام ہے......؟"

"جو آپ کہیں......"

"چلو پھر آؤٹنگ کا پروگرام بنا لیتے ہیں، کیوں علیزہ چلیں گی ساتھ......؟"

"بالکل چلے گی، کیوں نہیں چلے گی......"

علیزہ کے جواب دینے سے پہلے ہی رُحاب بول اٹھی تھی۔

ریحان مسکرا دیا۔

❁

اب تو خواہش ہے یہ......

درد ایسا ملے
سانس لینے کی خواہش میں مر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ
ایسی آندھی چلے
جس میں پتوں کی مانند بکھر جائیں ہم
اب تو خواہش ہے یہ دنیا والوں کا غم
ایسی ٹھوکر لگائے کہ جی نہ سکیں
ایسی الجھیں یہ سینے میں سانسیں کہ پھر
ہم دوا پینا چاہیں تو پی نہ سکیں
کوئی ہمدم، نہ راہی، نہ راحت ملے
ایک پل سہارا نہ چاہت ملے
اب تو خواہش ہے یہ
دشت ہی دشت ہو ننگے پاؤں چلیں
ہم سر بزم شمع کی مانند جلیں
جسکو چاہیں اسے پھر نہ پائیں کبھی
چھوڑ جائیں یوں چپ چاپ دنیا کہ ہم
دل یہ چاہے بھی تو پھر نہ آئیں کبھی
اب تو خواہش ہے یہ
کہ سزا وہ ملے
کوئی صحرا، قلعہ یا بیابان ہو
جس میں سالوں تلک قید ہی قید ہو
اپنے خالق و مالک سے میں نے جو کی
بے وفائی، وہاں پر وہ ناپید ہو
ابن آدم کی چاہ کے کڑے جرم میں
اپنی ہی ذات کے کھوکھلے بھرم میں
اب تو خواہش ہے یہ کہ سزا وہ ملے

روئے جاؤں تو چپ نہ کرائے کوئی
دور جنگل میں یا پھر کسی دشت میں
ہاتھ پکڑے میرا، چھوڑ آئے کوئی
اب تو خواہش ہے یہ......

ریان اپنی پسند پر انہیں گھمانے لے آیا تھا۔

شام تیزی سے گہری ہو رہی تھی، اس وقت وہ لوگ کے ایف سی سے نکل کر پیدل مارچ کر رہے تھے، جب اچانک سارب علی ہمدانی سے ان کا ٹکراؤ ہو گیا تھا، وہ وہاں پہ کسی دوست کے ساتھ ڈنر کرنے جا رہا تھا، نگاہ ریان کے ساتھ ان دو لڑکیوں پر پڑی تو دوست کو آگے روانہ کر کے وہ ان کی طرف بڑھ آیا۔

ریان کی نگاہ بھی اس پر پڑ چکی تھی، تبھی وہ بھی رک گیا تھا۔

"السلام علیکم......"

قریب آ کر جونہی اس نے ریان سے مصافحہ کیا، رُحاب نے فوراً چہرے کا رخ دوسری طرف پھیر لیا۔

علیزہ البتہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام، کیسے ہو، کوئی لفٹ ہی نہیں آج کل......"

ریان کے انداز میں گرم جوشی تھی۔

سارب محض لب پھیلا کر رہ گیا۔

"بہت مصروف ہو گیا ہوں یار، سناؤ کیا مصروفیات ہیں آج کل......؟"

"وہی جو پہلے تھیں، تمہارے بارے البتہ سنا ہے کہ دوسری شادی کر رہے ہو......"

یونہی اسے چھیڑنے کے لیے ریان نے کہا تو اس نے بے ساختہ رُحاب کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"سوچ رہا ہوں کر ہی لوں، یوں اکیلے کب تک دھکے کھاؤں گا......"

نگاہیں رُحاب کے چہرے پر جمائے جمائے ہی اس نے بھی اس کا خون جلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، تبھی وہ بول اٹھی۔

"ریان بھائی، مما اکیلی ہیں، میرا خیال ہے گھر چلنا چاہیے......"

"چلتے ہیں یار...... اتنے دنوں کے بعد یہ جناب ہاتھ لگے ہیں، ذرا دو دو ہاتھ کر

لینے دو......"

وہ کہاں پروا کرنے والا تھا۔

علیزہ اب تک یہ کہانی سمجھ نہ سکی تھی۔رُحاب اور سارب کے مابین کیا غلط فہمی تھی وہ قطعی نہیں جانتی تھی نہ ہی اسے اس کی شادی شدہ زندگی کی کہانی بارے اس سے پہلے کوئی دلچسپی محسوس ہوئی تھی، لہٰذا اب وہ خاصی دلچسپی سے ریان اور سارب کے مابین ہوئے والی گفتگو سن رہی تھی۔

"اور سناؤ، کہاں جا رہے تھے......؟"

"کہیں نہیں، ایک دوست کے ساتھ ڈنر کرنے آیا تھا، نگاہ تم پر پڑی تو اس طرف آ گیا، تم سناؤ، دو دو لڑکیوں کو لے کر کدھر نکلے ہوئے ہو......؟"

وہ پہلے سے بہت کمزور اور سنجیدہ ہو گیا تھا۔

ریان اس کے سوال پُر لطف انداز میں مسکرا دیا۔

"تمہیں جیلسی ہو رہی ہے......؟"

"نہیں......"

"ہا......ہا......جانے دو یار، چہرے سے ہی پتہ چل رہا ہے کہ تمہیں جیلسی ہو رہی ہے، خیر تم چاہو تو میرے ساتھ گھر چل کر مزیدار ڈنر کر سکتے ہو......"

"نہیں......تم مزے اڑاؤ، میری دوست کے ساتھ کمٹ منٹ ہے، میں چلتا ہوں......"

سرسری سی اک نگاہ رخ پھیرے کھڑی رُحاب پر ڈالتے ہوئے سارب نے ریان سے کہا پھر علیزہ سے ہیلو ہائے کر کے فوراً واپس پلٹ گیا۔

"لو چلا گیا بیچارہ واپس......خوش ہو جاؤ......"

سارب کے جانے کے بعد اب ریان پھر رُحاب کو چھیڑنے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"سو وہاٹ......"

اس کا موڈ آف ہو چکا تھا، تبھی علیزہ بولی تھی۔

"سارب بھائی تو بہت نائیس اینڈ ہینڈسم ہیں......"

"مجھ سے بھی زیادہ......؟"

ریان نے فوراً جس انداز میں پوچھا تھا وہ بری طرح بوکھلا گئی تھی، تبھی وہ کھلکھلا اٹھا۔

"بہت سادا اور معصوم ہیں آپ، چچی......"

رُحاب نے بہت دنوں کے بعد اسے اتنے فریش موڈ میں دیکھا تھا۔تبھی مسکرا اٹھی۔

"اخوں......اخوں......"

گلا کھنکار کر صاف کرتے ہوئے اس بار اس نے ریان کو شرمندہ کرنا چاہا تھا مگر وہ ڈھیٹ بنا ہنستا رہا۔جس وقت وہ لوگ گھر واپس آئے خاصی رات ہو چکی تھی۔

رحاب بستر پر آئی تو کب سے رکے آنسو پھر بہہ نکلے۔

وہ کیا بتاتی کسی کو کہ اس نے کس جرم کو سزا پائی ہے، جبکہ اپنے جرم سے خود اس کی آشنائی بھی ابھی چند روز پہلے ہی ہوئی تھی۔

❀

اگلی صبح رُحاب کی آنکھ خاصی تاخیر سے کھلی تھی۔

علیزہ اور باقی لوگ ابھی سو رہے تھے، وہ چپکے سے اٹھ کر ٹیرس پر چلی آئی۔ٹھنڈی ٹھنڈی معطر ہوا کے اداس جھونکے اسے پھر سے ماضی کے دھندلکوں میں کھینچ کر لے گئے۔

اس روز بھری بارش میں دیر تک بھیگنے اور رات بھر صوفے پر بیٹھ کر جاگنے کے باعث، اگلی صبح وہ تیز بخار میں مبتلا ہو گئی تھی، سارب کی جس وقت آنکھ کھلی، وہ صوفے پر بے سدھ پڑی کراہ رہی تھی، وہ پریشان ہوا تھا اور فوراً اسے اٹھا کر بیڈ پر ڈالا تھا۔

ادھر سالار ہوسپٹل سے ڈسچارج ہو چکا تھا اور اس کا فون سارب کے موبائل پر آیا تھا، وہ اندر سے جتنا شکستہ تھا اتنا ہی بہادر تھا، سارب اس کی طرف سے قدرے مطمئن ہونے کے بعد کمرے سے نکلا تھا اور رُحاب کی حالت بارے اپنی بھابھی کو مطلع کیا تھا، جواب میں انہوں نے اسے وہ سنائیں، کیونکہ شادی کے بعد سے اب تک جو کچھ بھی ہو رہا تھا وہ ہرگز اس سے بے خبر نہیں تھیں۔سارب ان کے لعن طعن سے شرمندہ ہوا تھا مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتا؟ جس میں رُحاب کے ساتھ ساتھ سالار کی محبت بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور یوں دونوں طرف کی محبتوں کی انتہاء رہی تھی جس نے اسے اس قدر ڈپریشن میں مبتلا کر دیا تھا۔

رُحاب کے ہوش میں آتے ہی وہ سالار سے ملنے کے لیے نکل کھڑا ہوا تھا۔

سالار کی بھابھی اپنے مہمانوں میں مصروف تھیں، لہٰذا وہ انہیں سرسری سا سلام کر کے لان سے سیدھا سالار کے کمرے کی طرف بڑھ آیا تھا۔

سالار اس وقت کوئی بک پڑھنے میں مصروف تھا جب وہ اس کے کمرے میں داخل ہُوا۔

"السلام علیکم......"

"وعلیکم السلام......مل گئی دوست سے ملنے کی فرصت......؟"

اسے دیکھتے ہی سالار نے کتاب سائیڈ پر رکھ دی تھی۔

سارب لب بھینچتا اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"تمہیں اتنی جلدی ہوسپٹل سے ڈسچارج نہیں ہونا چاہیے تھا......"

"کیوں...... مجھے کیا ہوا ہے......؟غلطی سے دو گولیاں زیادہ کھالیں تو ٹائم پر آنکھ نہیں کھلی اور بھابھی نے رولا ڈال دیا،تم کیوں اتنی ٹینشن لے رہے ہو......؟"

"شٹ اپ سالار...... بچہ کیوں سمجھتے ہو تم مجھے......تم کیا سمجھتے ہو، مجھے تمہاری ان حرکتوں کا کچھ نہیں پتہ......خدا کا واسطہ ہے تمہیں،دوستی کے امتحان میں اتنی اذیت مت دو مجھے کہ اپنی مرضی سے جی بھی نہ سکوں......"

سالار کے ہلکے پھلکے انداز میں کہنے پر وہ چلایا تھا جواب میں وہ شاکڈ سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

"سارب ......کیا ہوا ہے تجھے......؟"

اب وہ اس کے لیے متفکر تھا۔

سارب نے چپ چاپ اپنے جذبات چھپاتے ہوئے ذرا سا رخ پھیر لیا۔

"کچھ نہیں......لیکن پلیز سالار اب جلد از جلد شادی کرلو، میں مزید تمہیں یوں دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی کو ضائع کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا......"

"کون دوسرے......؟اور یہاں زندگی ضائع کون کر رہا ہے......؟"

حیران ہو کر اس نے بات مزاح میں ٹالنے کی کوشش کی تھی جب وہ مضطرب سا اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلتا ہوں اب......آفس سے واپسی پر تمہیں لینے آؤں گا، آج رات کا ڈنر میری طرف سے ہوگا......"

اسی انداز میں اپنی بات مکمل کر کے وہ بنا سالار کو کچھ کہنے کا موقع دیے اس کے کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

اس روز آفس میں بھی دن بھر وہ بے حد بے قرار رہا تھا، بار بار گھر فون کر کے بھابھی سے رُحاب کی خیریت معلوم کرتا رہا، کل کی مانند آج بھی بادل گھر آئے تھے اور وقفے وقفے سے بارش ہوتی رہی تھی، وہ ابھی آفس سے نکل رہا تھا جب بھابھی کا فون آ گیا۔

"ہیلو......"

آفس سے نکلتے نکلتے اس نے ان کی کال پک کی تھی، جب انہوں نے بتایا

"سارب......کہاں ہو تم......؟"

"آفس سے نکل رہا ہوں بھابھی، کیوں خیریت......؟"

"ہوں......وہ اصل میں رُحاب گھر پر نہیں ہے میں ذرا مارکیٹ تک گئی تھی، وہ چھوٹو کو بتا کر پتہ نہیں کہاں چلی گئی،طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے اس کی......"

وہ جس بات سے ڈرتا تھا بالآخر ہو گئی تھی۔

سارب کا دل اس لمحے یکبارگی بہت تیزی سے دھڑکا تھا۔

"کیا مطلب......چھوٹو کو بتا کر نہیں گئی......؟"

"نہیں......بس یہی کہا تھا کہ بھابھی گھر آئیں تو انہیں بتا دینا کہ چاچی چلی گئی ہیں۔"

"سچ بتاؤ سارب تم کیا کر رہے ہو اس کے ساتھ......؟"

"مم......میں گھر آ رہا ہوں ابھی......"

از حد ڈسٹرب مائنڈ کے ساتھ جلدی سے کہہ کر اس نے لائین ڈس کنکٹ کر دی۔وہ اس وقت بھابھی کے سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں تھا بھی نہیں، لہٰذا سیل آف کر کے فوراً سڑکوں پر نکل آیا۔بات اگر سعد تک پہنچ جاتی تو اسے اس سارے معاملے کی وضاحت دینا مشکل ہو جاتی تھی، تبھی وہ کہیں تنہا بیٹھ کر اس مسئلے کا حل سوچنا چاہ رہا تھا۔

یہ رات خود کو ایک نئی اذیت سے دوچار کر کے نئے امتحان کے سپرد کرنا اب خود اس کی برداشت سے بھی باہر ہوتا جا رہا تھا۔اس نے سوچ لیا تھا۔وہ رُحاب کو آزاد کر کے اسے سالار کی زندگی کا حصہ بنانے کے بعد ملک، میں رہے گا ہی نہیں، باقی کی جتنی بھی زندگی اسے ملی، وہ اسے تنہا سلگتے ہوئے گزار دے گا مگر رُحاب اور سالار کو اپنے جذبوں کی ہوا تک نہیں لگنے دے گا تا کہ دونوں کی زندگی پر کوئی اثر نہ پڑے اس کے غم کا۔

دوستی اگر امتحان لیتی ہے تو وہ اس امتحان میں سرخرو ہونے کے لیے تیار تھا۔

اگر سالار اس کی خوشیوں کے لیے اپنی محبت قربان کرنے کی ہمت رکھتا تھا تو وہ یہ کام کیوں نہیں کر سکتا تھا جبکہ رُحاب کی اپنے لیے ناپسندیدگی اور بے نیازی سے بھی وہ خوب واقف تھا۔

اس کے خواب جھوٹے ہو گئے تھے، وہ نادانستگی میں دو دلوں پر ظلم کر بیٹھا تھا، جان سے پیاری دو ہستیوں کو تکلیف دے بیٹھا تھا، رُحاب تو اس کی کبھی تھی ہی نہیں، وہی غلط تھا جس

نے اس کی نگاہوں میں اپنے لیے محبت کا عکس دیکھ کر اس عکس کو اپنی مرضی کے معنی پہنا دیے تھے۔
گاڑی کے بونٹ پر بیٹھ کر اس روز اکیلے بیٹھے وہ بہت ٹوٹ کر رویا تھا اور بہت دیر تک روتا رہا تھا۔

❁

رُحاب سارب کی بھابھی کے سب سے چھوٹے بیٹے کو بتا کر جس وقت بخار کی حالت میں ہی گھر سے نکلی بارش ہو رہی تھی اور اسے چکر آ رہے تھے، مگر وہ اب ایک پل کے لیے بھی اس شخص کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی کہ جس نے اذیت دینے کے ساتھ ساتھ اسے بے عزت کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ شدید غم و غصے کی کیفیت میں موقع ملتے ہی وہ اس گھر سے نکل آئی تھی جہاں اس کے لیے سوائے آنسوؤں اور تلخ سوچوں کے اور کچھ نہیں تھا۔

بارش تیز ہو رہی تھی مگر اس نے پروا نہیں کی، اسے اپنے گھر کا راستہ یاد تھا۔ تبھی جیسے کسی کی پکار نے اس کے قدم روک لیے تھے۔

''رُحاب......''

آواز شناسا تھی وہ رک گئی تھی۔

''رُحاب......''

پکارنے والا اب قریب آیا تو رُحاب نے دیکھا وہ سارب کا قریبی دوست سالار تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی شدت مزید بڑھ گئی، کیونکہ وہ صرف سارب کا دوست ہی نہیں تھا، رُحاب کے ساتھ بھی اس کی شناسائی تھی، سالار کی بہن اس کی بہت اچھی دوست تھی اور پچھلے کچھ عرصے سے اس کی فیملی کے سالار کی فیملی کے ساتھ بہت اچھے تعلقات بھی استوار ہو گئے تھے۔ سالار کے جذبوں سے قطعی بے خبر وہ اسے اپنے لیے سعد جیسا مقدس اور محترم ہی سمجھتی تھی۔ اسی لیے اس وقت اس کی آنکھیں، اسے دیکھ کر آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔

''اتنی تیز بارش میں، یوں پیدل کہاں جا رہی ہو......؟''

اسے دیکھ کر وہ اپنی گاڑی سے نکل کر آیا تھا۔

رُحاب کا گلا آنسوؤں سے رندھ گیا، بڑی پھنسی پھنسی سی آواز میں وہ بول پائی تھی۔

''گھر......''

''گھر...... کس کے گھر......'' وہ حیران ہوا تھا جب وہ بولی۔

''اپنے گھر...... اپنی مما اور بھائی کے پاس، وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے......''

''کیوں...... آئی مین کیا سارب سے کوئی جھگڑا ہوا ہے......''

اب وہ متفکر تھا۔

''جھگڑا......؟ مجھے اس شخص کے تصور سے نفرت ہے، وہ شخص میرا نہیں ہے سالار، اس کے دل میں کوئی اور بستی ہے، مجھ سے شادی تو شاید اس لڑکی کو جلانے یا ستانے کے لیے کی تھی اس نے، حقیقت میں اسے میری ذات سے کوئی دلچسپی نہیں، ایک نمبر کا بے حس اور اجڈ انسان ہے وہ......'' وہ روتی جا رہی تھی اور اسے بتاتی جا رہی تھی۔

سالار اس کا ہاتھ تھام کر اسے گاڑی کی طرف لے آیا۔

''اچھا تم بیٹھ جاؤ میں، اس الو کے پٹھے سے اب میں خود بات کروں گا......''

رُحاب کو روتے دیکھ کر جیسے آرے چلے تھے، اس کے دل پر، تبھی وہ بولی تھی۔

''نہیں...... کوئی بات نہیں کرو گے تم اس سے، میرا دل اب اس شخص کی طرف سے متنفر ہو چکا ہے......''

''او کے، ڈونٹ بی ایموشنل...... جسٹ ریلیکس...... پلیز......''

نہایت نرمی سے کہہ کر اس نے گاڑی اپنے ہی گھر کی جانب موڑ لی تھی، ابھی وہ سارب کی طرف جا رہا تھا جس نے صبح اسے ساتھ میں ڈنر کرنے کی پیشکش کی تھی، مگر اس تک پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آئی اور وہ بیچ راہ میں ہی الجھ کر رہ گیا۔

گھر میں بھابھی نے رُحاب کو اس کے ساتھ دیکھا تو پوچھے بغیر نہ رہ سکیں۔

''رُحاب اور تمہارے ساتھ......؟''

''جی بھابھی...... وہ سارب اور ان کے درمیان کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے تو......''

''ارے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی، جو دوسروں کے دل اجاڑ کر اپنے گھر آباد کرتے ہیں انہیں ایسی بے سکونی کا سامنا تو کرنا پڑتا ہے......''

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ چونک کر بول اٹھی تھیں۔

رُحاب نے قدرے الجھی نگاہوں سے سالار کے چہرے کی طرف دیکھا جواب بوکھلا رہا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے بھابھی، چلو رُحاب تم میرے کمرے میں چلو، مجھے بات کرنی ہے تم سے......''

اس سے پہلے کہ بھابھی رُحاب کے سامنے کوئی بھانڈا پھوڑتیں وہ زبردستی اس کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔

''بھابھی کیا کہہ رہی تھیں، پلیز بتائیں سالار......''

کچھ نہیں کہہ رہی تھیں یار، تم بیٹھو یہاں، میں اس سارب کے بچے کو فون کر کے بلواتا ہوں......''

''نہیں...... ہرگز نہیں......''

سارب کے ذکر پر وہ پھر مچلی تھی۔

''وہ شخص اس قابل نہیں ہے کہ اسے مجھ جیسی اچھی لڑکی کا ساتھ ملے......''

''رُحاب، ابھی تم نے جانا ہی کہاں ہے اسے...... محبت کو بھلا اس سے بڑھ کر اور کون سمجھ سکتا ہے، وہ شخص محبت کا سمندر ہے اور بہت پیار کرتا ہے تم سے، میں جانتا ہوں اسے، اگر وہ کسی اور میں انٹرسٹیڈ ہوتا تو مر جاتا مگر تم سے کبھی شادی نہ کرتا، اسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا رُحاب اور زندگی کے اتنے بڑے فیصلے میں تو بالکل بھی نہیں، وہ دوست ہی کیا، جو اپنے دوست کے دل کے اتنے قریب رہ کر اسے نہ جان سکے......''

دھیمے لہجے میں کہتا وہ رُحاب کو حیران کر رہا تھا۔

''ہاں رُحاب...... بچپن کی دوستی ہے میری اور اس کی...... بہت اچھی طرح سے اس کے مزاج کے ایک ایک موسم کو جانتا ہوں میں...... وہ سمجھتا ہے شاید وہ مجھے پاگل بنا لے گا، یا یہ کہ میں اسے سمجھتا نہیں ہوں، تمہیں بتاؤں رُحاب کہ وہ تم سے رشتہ پکا جانے پر اتنا خوش تھا کہ دریا غیر مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کے پاؤں زمین پر نہیں لگ رہے تھے، تمہیں دیکھنے سے لے کر دل میں بسانے تک کی تمام روداد وہ روزانہ میرے گوش ہی گزارتا رہا ہے، میں نہیں جانتا کہ عین رخصتی والے دن ایسا کیا ہوا کہ اس کا چاند سا چہرہ بجھ کر رہ گیا، لیکن مہندی والے روز تک وہ بے حد مسرور تھا رُحاب، بار بار میرے آنے پر اصرار کرتے ہوئے اس کی اندرونی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی، یہ سب باتیں وہ تمہیں کبھی نہیں بتائے گا میں بتا رہا ہوں اور اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں تم بھی اُسے بہت پیار کرتی ہو۔ اصل میں یہ جو پیار ہوتا ہے ناں رُحاب یہ کبھی لفظوں کا محتاج تو ہوا ہی نہیں۔ نگاہوں سے چھلکتا ہے اداؤں سے اُمڈتا ہے، لاکھ کوشش کر و خود کو چھپانے کی، انہیں چھپ سکتے...... سو پلیز مائی ڈیئر! اس وقت جذبات سے نہیں، عقل سے کام لو، اس کی پریشانی کا کھوج لگاؤ اور اس کھوج کے پیچھے جو سچائی چھپی ہے اسے جاننے کی کوشش کرو، مجھے پوری امید ہے کہ ایک خوبصورت خوشگوار زندگی تمہاری منتظر ہوگی......''

''لیکن سالار......''

''گولی مارو لیکن ویکن کو، اور یاد رکھو، تم ایک پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہو، جو کام تم کرنے چلی ہو وہ ان پڑھ، جاہل لڑکیاں بھی بڑے اچھے طریقے سے کر کے ساری عمر گُوٹھ لیتی ہیں، مگر رُحاب کو کڑھنا نہیں ہے، خوش رہنا ہے...... کیونکہ وہ جس لڑکے سے پیار کرتی ہے، میں اس لڑکے کی گارنٹی دیتا ہوں کہ وہ صرف اور صرف رُحاب کا ہے، ہاں رُحاب اسے کیسے اپنا بناتی ہے، یہ اب رُحاب کو کرنا ہے، میں تو صرف اتنا ہی کہوں گا، جن سے دل پیار کرتا ہے، ان سے کبھی لڑا نہیں جاتا رُحاب، لڑ بھی لیں تو کبھی جیت نہیں سکتے......''

بہت دھیمے لہجے میں بہت اچھی طرح سے وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

رُحاب اس کا ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگاتے ہوئے رو پڑی۔

''آپ بہت اچھے انسان اور بہت اچھے دوست ہیں سالار قسم سے......''

اور یہی وقت تھا جب سالار کی کمرے کی دہلیز پر سارب علی ہمدانی کے قدم پڑے تھے۔ کمرے کے اندر کا منظر اس کی قدموں کو پتھر کرنے اور اس کی شخصیت کے بت کو پاش پاش کرنے کے لیے کافی تھا۔

اب کسی شک وشبے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔

سالار کی نگاہ اس پر پڑی تھی، مگر وہ پلٹا تھا اور اس کے پکارنے کے باوجود تیز تیز قدموں سے چلتا اس کے گھر سے باہر نکل آیا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر قبل جو ارادے زندگی کو لے کر اس نے باندھے تھے ان میں کمزور پڑ گیا تھا وہ، یہی وجہ تھی کہ اس رات اس نے ایمرجنسی صورت حال میں بنا کسی کو بتانے، ملک چھوڑ دیا تھا۔ سالار اس کے لیے پریشان تھا مگر اس سے بھی زیادہ پریشان رُحاب تھی۔

سالار کی زبانی جب سے اسے اپنے لیے سارب کی محبت کا پتہ چلا تھا وہ مضبوط مسرور ہو گئی تھی پھر سارب کی بھابھی نے بھی سالار کی بات کی تائید کرتے ہوئے جب اسے یہ بتایا کہ رُحاب ہی سارب کی پسند کی لڑکی ہے اور یہ کہ اسی کی ضد و فرمائش پر یہ شادی طے ہوئی تھی وہ اور بھی حیران رہ گئی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کو سارب ایسا کیوں کر رہا تھا، چلتے وقت سالار نے اسے کہا تھا کہ جو لوگ ہر وقت کسی نہ کسی سے جھگڑا کیے رکھتے ہیں، وہ محبتوں کے ترسے ہوئے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں سے جتنا پیار بھی کرو کم ہے......''

اور اس نے اس کی اس بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالا نہیں تھا۔

سارب تین چار روز کے بعد وطن واپس پہنچ کر گھر آیا تو ایک نئی رُحاب سے اس کا سامنا ہوا۔ اسے قطعی گمان نہیں تھا کہ واپسی پر وہ یوں اسے اپنے بیڈ روم میں ملے گی، شاید تبھی کمرے کی بدلی ہوئی حالت کے ساتھ وہ اسے بیڈ پر لیٹا ہوا دیکھ کر ٹھٹھک گیا تھا۔ ادھر رُحاب بھی اس کی آہٹ محسوس کر کے اٹھی تھی۔

''آ گئے آپ......؟''

''تم کیا کر رہی ہو یہاں......؟''

بجائے اس کے سوال کا جواب دینے کے وہ اس پر چڑھ دوڑا تھا مگر پہلی بار رُحاب نے محسوس نہیں کیا۔

''کچھ نہیں، آپ کو یاد کر رہی تھی......اور آپ کی تصویر سے باتیں کر رہی تھی......''

''شٹ اپ......''

چلا کر کہتے ہوئے وہ کمرے کے اندر چلا آیا تھا۔

''کھل گئی ہے تمہاری ساری اصلیت مجھ پر...... جان گیا ہوں میں کہ کیسے کردار کی لڑکی ہو تم......''

''کیسے کردار کی لڑکی ہوں میں......؟''

وہ جو اس کی ساری زیادتی بھلا کر اپنا دل اس کی طرف سے صاف کیے بیٹھی تھی اب اس نئے الزام پر پھر دکھ میں گڑھ کر رہ گئی۔

سارب نے اس کی طرف سے نفرت سے منہ پھیرا تھا۔

''نفرت کرتا ہوں میں تم سے، شدید نفرت، جاؤں پلیز، چلی جاؤں یہاں سے......''

بڑھی ہوئی شیو اور الجھے سراپے کے ساتھ، وہ خود بھی اپنے لفظوں کی طرح بگڑا ہوا دیکھائی دے رہا تھا۔ رُحاب ضبط کے کڑے مرحلے سے گزر کر رہ گئی۔

''چلی جاؤں گی...... جیسے چار آدمیوں میں عزت سے لے کر آئے تھے۔ ویسے ہی چار آدمی بلا کر عزت سے رخصت کر دو......''

''شٹ اپ......''

ایک مرتبہ پھر بگڑا تھا وہ رُحاب چپ چاپ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''میں نہیں جانتی کہ تم کس اذیت کا شکار ہو سارب، لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہو کہ میں نے اپنی زندگی میں صرف ایک ہی شخص سے پیار کیا ہے اور وہ تم ہو......''

جس کا لہجہ اس بار بھی دھیما تھا، سارب کو لگا جیسے وہ پھر منافقت سے کام لے کر جھوٹ بول رہی ہے۔ تبھی وہ اس کے قریب آیا تھا اور ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے مقابل کھڑا کرتے ہوئے اس نے یکے بعد دیگرے دو جاندار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کر دیے تھے۔

''یہ سزا ہے تمہارے جھوٹ اور منافقت کی، سمجھی تم......؟''

سرخ انگارہ سی آنکھوں میں اتنی وحشت تھی کہ رُحاب سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھ بھی نہیں سکی تھی۔ تھپڑ کی شدت کے باعث اس کے ہونٹ سے خون نکلا تھا اور اسے بے ساختہ سالار کی بات یاد آئی تھی۔ اس نے کہا تھا وہ جذبات کی بجائے عقل سے کام لے کر سارب کی پریشانی کا کھوج لگائے اور اس کھوج کے پیچھے چھپی سچائی کو جاننے کی کوشش کرے یقیناً ایک خوشگوار زندگی اس کی منتظر ہو گی، مگر...... یہاں تو بات اس کے کردار پر آ گئی تھی۔

وہ شخص اس کی محبت، رفاقت اور وفا کو چیلنج کر رہا تھا۔ اسے لگا جیسے روح اندر تک گھائل ہو کر رہ گئی ہو۔ پھٹے ہونٹ سے خون صاف کیے بغیر اس نے آنسو بھری نگاہیں اٹھا کر سارب کی طرف دیکھا تھا اور پھر دکھی انداز میں مسکرائی تھی۔

''اچھا صلہ ہے یہ محبت کا، اور اچھی بے یقینی ہے یہ مگر میں ہنوز اپنے دعوے پر قائم ہوں، اور اس کا ثبوت یہ ہے......''

کہنے کے ساتھ اس نے اپنے لب برہم کھڑے سارب کی پیشانی پر دھر دیے تھے، محبت آمیز بوسے کے لمس کے ساتھ ہی اس کے ہونٹ سے رسنے والا خون سارب کی پیشانی پر لگا تھا اور وہ شخص جیسے اپنی جگہ پتھر کا ہو کر رہ گیا تھا۔

پیشانی کے بعد اب وہ اس کے گال اور ہونٹوں پر اپنی محبت ثبت کر رہی تھی اور سارب کو لگ رہا تھا جیسے اس کا وجود ڈھیلا پڑتا جا رہا ہو، جیسے اس کے بدن سے جان نکلتی جا رہی ہو، جیسے وہ ہونٹوں سے اس کے بدن کا سارا خون نچوڑ کر چوستی جا رہی ہو، وہ اپنی مرضی سے حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

''اب چلتی ہوں میں...... زندگی کے کسی موڑ پر میری ضرورت پیش آئے اور دل میری اس محبت کی پارسائی پر ایمان لے آئے تو خود چل کر مجھ تک آ جانا، وگرنہ، طلاق کے پیپرز تو ڈاک کے ذریعے بھی بھجوائے جا سکتے ہیں......''

اس نے کہا تھا مگر سارب اس لمحے کچھ سننے سمجھنے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھا، لہٰذا وہ اسے جاتے ہوئے روک بھی نہ سکا اور وہ جیسے ہمیشہ کے لیے اس کی دہلیز سے چلی آئی۔ اس کے

آنے کے کچھ روز بعد ہی سالار نے اپنے پھر سے شفٹ ہونے کا اعلان کر دیا تھا اور پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد، رُحاب اور سارب دونوں کو اس کی شادی کا کارڈ موصول ہو گیا۔

یہ سب اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ سارب کو کچھ سمجھنے کرنے کا موقع ہی نہ ملا اور وہ رُحاب کے ساتھ ساتھ، جیسے سالار سے بھی دور ہو گیا، شرمندگی اتنی تھی کہ وہ دونوں سے ہی معافی مانگنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ رُحاب شروع میں کچھ عرصہ ڈسٹرب رہی تھی بعد میں اس نے خود کو سنبھال لیا، مگر سارب خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا اور اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ رُحاب کو کیسے منا کر دوبارہ اپنے گھر لائے، لہٰذا دونوں کے درمیان تا حال ناراضگی چل رہی تھی۔

رُحاب سو رہی تھی لہٰذا وہ اکیلی لان میں بیٹھی اپنی یادوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ جب ریان وہاں چلا آیا۔

''السلام علیکم......''

''وعلیکم السلام......''

چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس نے نگاہیں اٹھائی تھیں۔

''کیا ہو رہا ہے......؟''

''کچھ نہیں......بس یونہی بیٹھی تھی......''

''اوہوں، ہوں......میں نے خود دیکھا ہے آپ کسی کو سوچ رہی تھیں......''

''نہیں تو......''

وہ فری ہونے کی کوشش کر رہا تھا اور ادھر وہ سمٹ رہی تھی۔

''چلیں ناں مانیں، آج شام میں تو ویسے بھی واپس چلنے جانا ہے مجھے، اور آپ سے تو یہ توقع بھی نہیں کہ کبھی بھولے سے یاد ہی کر لیں گی......''

علیزہ کے پاس اس کے ان الفاظ کا کوئی جواب نہیں تھا لہٰذا وہ سر جھکا گئی۔

''علیزہ......واپس جاتے ہوئے اگر میں آپ سے کچھ مانگوں تو دیں گی......؟''

اس کے سر جھکانے پر اس نے کہا تھا جواب میں اس نے فوراً نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''مجھ سے......ہاں......میں حقیر و فقیر لڑکی......میں کیا دے سکتی ہوں، آپ جیسے رئیس کبیر اچھے شخص کو، میرے ہاتھ تو بالکل خالی ہیں......''

''میں دنیاوی مال و دولت کی بات نہیں کر رہا......یہ دولت بہت وافر ہے میرے پاس......''

''تو پھر......''

اب کی بار وہ الجھی تھی، تبھی ریان نے نگاہ پھیر لی۔

"پتہ ہے علیزہ"

"پتہ ہے علیزہ، فسٹ ٹائم جب آپ میرے سامنے آئیں اور میں نے سعد سے باتیں کرتے ہوئے یونہی آپ کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا، میری نگاہ جیسے پتھرا کر رہ گئی تھی، دل اِتنی زور سے دھڑکا کہ میں خود پریشان ہو کر رہ گیا...... کوئی نہیں جانتا علیزہ کہ میرا درد کیا ہے، وہ ایک لڑکی جو میرے لیے سانسوں سے بڑھ کر قیمتی تھی، تمہارا ایک ایک نقش جیسے اُس کا چُرایا ہُوا ہے، میں نہیں جانتا کہ آپ میں کیا خوبیاں اور کتنی خامیاں ہیں، آپ کتنی صحیح، کتنی غلط ہیں، میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ ایک مدت کے بعد مجھے زندگی کا احساس ملا ہے، اگر سات سال پہلے میں نے خود اریبہ کو اپنے ہاتھوں سے منوں مٹی تلے نہ سلایا ہوتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا کہ تم وہ نہیں کوئی اور ہو، پرسوں بار بار چوری چوری میں تمہیں دیکھتا رہا تھا، پورے سات سال کے بعد وہ چہرہ دیکھنے کو ملا ہے علیزہ، جس سے کبھی ایک پل کی جُدائی بھی گوارہ نہیں تھی مجھے......"

تکلفات کی تمام دیواریں گراتا، وہ کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔

"اریبہ کون تھی......؟"

بہت سے پل خاموشی کے بعد بالآخر علیزہ نے پوچھا تھا جب وہ افسردگی سے بولا۔

"کزن تھی میری، اور بچپن کی محبت بھی...... اس جیسی لڑکی سمجھو اس دنیا میں تھی ہی نہیں...... یا پھر شاید مجھے کچھ نظر نہیں آتا تھا اس کے سوا، بہت آوارہ ہوتا تھا ان دنوں میں، کوئی کام نہیں آتا تھا مجھے سوائے اسے دیکھتے رہنے اور اس سے باتیں کرتے رہنے کے، وہ کچھ نہ کچھ کام کرنے کو کہتی رہتی تھی اور میں ڈھیٹ بنا بس اس کے در پر پڑا رہتا، کتنی خواہش تھی اسے کہ میرا نام ہو، میرے پاس اپنے زورِ بازو پر دنیا کی ہر آسائش ہو...... کاش...... کاش میں وقت کے دریا کو الٹا بہا سکتا علیزہ...... کاش میں اسے روک سکتا......"۔

اس بار اس کا ضبط جواب دے گیا تھا، اور اس کی پلکیں نم ہوئی تھیں!

علیزہ نے کس قدر حیرانی سے اسے دیکھا تھا کیا یہ ممکن تھا کہ کوئی مرد کسی لڑکی کے لیے رو سکے، اسے حیرانی کے ساتھ ساتھ اس لڑکی کی ذات پر رشک بھی آ رہا تھا کہ جس کی محبت نے ریان جیسے شاندار مرد کو رلا دیا تھا۔

"کیا ہوا تھا اسے...... کہاں گئی وہ آپ کو چھوڑ کر......؟"

بہت دیر کے بعد اس نے پوچھا تھا جب وہ بولا۔

"ملکِ عدم...... جہاں جا کر کوئی واپس نہیں آتا...... جگر کا کینسر ہو گیا تھا اسے، اور اس کا سبب میں تھا علیزہ...... میری نااہلیوں کے باعث اس کے والدین نے اس کا رشتہ مجھ سے طے کرنے کی بجائے کسی اور رئیس کبیر لڑکے کے ساتھ کر دیا، اور بس...... اسی غم میں گھل گھل کر مر گئی میری اریبہ...... حالانکہ...... اس کی نسبت طے ہوتے ہی میں نے بابا کا کام سنبھال لیا تھا۔ دن رات ایک کر دیا تھا اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لیے، صحت بھی تباہ کر لی تھی اپنی...... مگر...... نہیں جیت سکا میں اس کی ماں کی ضد سے...... میری تقدیر نے بروقت تدبیر کے باوجود مجھے ہرا دیا علیزہ...... بالکل خالی ہاتھ کر دیا......" وہ جو بے حد کھلنڈری طبیعت کا مالک شوخ و چنچل تھا اس وقت کیسے ٹوٹ کے بکھرا ہوا تھا اس کے سامنے۔

علیزہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔

"میں منافق نہیں ہوں علیزہ...... میرے دل میں اس کا جو مقام ہے وہ کبھی کم نہیں ہو گا، مگر سب کہتے ہیں محبت کا سفر کبھی رکتا نہیں ہے، اس راہ گزر میں ہر نئے موڑ پر نئے لوگ ملتے ہیں اور دل میں اپنا الگ مقام بناتے ہیں...... اگر تم میری اجاڑ زندگی کا حصہ بنیں تو تمہارا مقام ابھی الگ ہو گا، میں کوئی دعویٰ تو نہیں کرتا، ہاں کوشش پوری کروں گا کہ میری ذات سے کبھی تمہیں کوئی دکھ نہ ملے۔ تمہارے سوا، میری سوچوں میں، زندگی میں، رابطے میں دوسری کوئی لڑکی نہ آئے......"

وہ مرد تھا اور اسے نہ صرف خود کو سنبھالنا آتا تھا بلکہ اپنا غم چھپانا بھی آتا تھا۔

علیزہ کا سر آپ ہی آپ جھک گیا۔

"پتہ ہے علیزہ، محبت سب کو راس نہیں آتی، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں اللہ کی ذات دنیا کے لیے تخلیق نہیں کرتی، اس لیے ہزار لوگوں کے درمیان رہ کر بھی اندر سے وہ لوگ ہمیشہ اکیلے رہتے ہیں، اللہ کی پاک ذات کو ان کا دنیا میں دل لگانا گوارہ ہی نہیں ہوتا، اس لیے یہ مادی دنیا کے خودغرض لوگ ان کے معیار پر پورا اتر ہی نہیں پاتے، بات صرف سمجھنے کی ہے ڈیئر...... مگر...... مگر زندگی میں کچھ باتوں کی سمجھ بہت دیر سے آتی ہے......"

اسے سمجھانا آتا تھا۔ اچھی باتوں کو دل میں اتارنا آتا تھا، علیزہ کے دل میں بھی یہ بات اتر گئی تھی واقعی وہ دنیا کے لیے نہیں تھی، اسی لیے تو اس کا دامن بے فیض محبت سے خالی تھا۔

ریان کی آفر نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھی، وہ ایک کمائل انسان تھا، اور اسے ایسے ہی انسان کی ضرورت تھی، لہٰذا اس نے ریان کی خواہش کے سامنے سر جھکا دیا، اسی روز اعیسہ بیگم کا فون آ گیا تھا اور انہوں نے روتے ہوئے اسے بتایا تھا کہ سعد صاحب کی طبیعت بہت

خراب تھی، وہ اسے کہہ رہی تھیں کہ وہ آ کر ان سے معافی مانگ لے، اور تب وہ ریان کے ساتھ ساتھ رُحاب، سعد اور عائشہ بیگم کو لے کر جیسے ایک مدت کے بعد ان راستوں پر واپس پلٹی تھی۔ جو راستے اس کی باعزت پہچان کا باعث تھے۔

جس وقت اس نے قدم اپنے باپ کے گھر کی دہلیز پر رکھے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئی تھیں۔ تب رُحاب اور ریان نے اسے حوصلہ دیا تھا۔

وہ گھر میں داخل ہوئی تو دنیزہ اور وصی دوڑ کر اس سے لپٹ گئے، حسن گھر پر نہیں تھا، ایبہ بیگم کمرے سے نکلی تھیں اور نگاہ اس پر پڑتے ہی اپنے قدموں پر ٹھٹھک گئی تھی۔ تب وہ خود ہی ان کی طرف لپکی تھی اور ان کے قدموں سے لپٹ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

ایبہ بیگم نے آنسو پونچھتے ہوئے اسے کھڑا کیا تھا اور پھر پیار کر کے اس کے ساتھ آنے والے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

''ارے ریان......تم......؟''

ریان پر نگاہ پڑتے ہی وہ حیران ہوئی تھیں جواباً وہ بھی انہیں علیزہ کی ماں کے روپ میں دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

''جی آنٹی......آپ یہاں کیسے......؟''

''ارے میرا گھر ہے چندا...... میری ہی بیٹی تو ہے علیزہ...... اور آپ یقیناً اس کی دوست رُحاب ہو، ہے ناں......؟''

''جی آنٹی......اور یہ میری مما ہیں، مسز عائشہ......اور یہ بڑے بھائی ہیں میرے سعد......''

ریان کی ان سے شناسائی نے اس کا حوصلہ بڑھایا تھا، تبھی اس نے اپنی ماں اور بھائی کا تعارف کروایا تو وہ مسکرا دیں۔

''انہیں بھی جانتی ہوں میں......میرے میکے کے گاؤں سے ہی تو تعلق ہے ان کا، اور یہ ریان تو میری بہت عزیز دوست کا بیٹا ہے، اس کی رحلت کے بعد میں نے بھی کچھ عرصہ سنبھالا تھا اسے، مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ علیزہ آپ لوگوں کے ساتھ رہ رہی ہے......''

وہ چہرے سے نہ صرف خوش دکھائی دے رہی تھیں، بلکہ مطمئن بھی تھیں۔

علیزہ ہی کا دل اپنے پاک پروردگار کی اس درجہ نوازش و کرم پر اس کا شکر ادا کرتا نہ تھک رہا تھا۔

''ابو کی طبیعت اب کیسی ہے امی......؟''

انہیں مہمانوں میں مگن دیکھ کر وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی تھی جب وہ بولیں۔

''قدرے بہتر ہے، کل رات دوسرا اٹیک ہوا ہے، ابھی انہی کے پاس بیٹھی تھی میں، چلو مل لو آ کر......''

وہ ماں تھیں اور اندر اس کی جدائی میں خود کو روگ لگائے وہ شخص اس کا باپ تھا، جو اس کی خطا کاریوں کے باوجود اس سے نفرت نہ کر پانے پر مجبور تھا۔ دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں کے ساتھ وہ کمرے میں گئی تھی اور پھر آنکھوں پر بازو دھرے بظاہر سوئے ہوئے سعید صاحب کے پیروں پر اپنا چہرہ ٹکا کر رو پڑی تھی۔

سعید صاحب کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھری تھیں، مگر اس کے باوجود انہوں نے اسے معاف کر دیا تھا۔ وقت پلٹ آیا تھا، کھوئی محبتیں دوبارہ مل گئی تھی، علیزہ کا دل چاہا، وہ سجدے میں جائے اور دوبارہ کبھی سر واپس نہ اٹھائے۔

جس روز ریان سے اس کی نسبت طے ہو رہی تھی، ایبہ بیگم کے قدم خوشی سے زمین پر نہ ٹک رہے تھے، نادیہ اور حماد کے ساتھ ساتھ، عمر کاظمی بھی اپنی ماں اور بیوی کو لے کر آیا تھا، علیزہ نے دیکھا وہ مسرور تھا مگر اس کی خوبصورت نگاہوں میں اس کی چاہ بدستور قائم تھی۔

علیزہ کا خیال تھا کہ وہ ایک غلط انسان کی محبت کی نحوست سے آزاد ہو گئی ہے، مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔

❀

میری تم سے گزارش ہے
وفاؤں کا بھرم رکھنا
چلے آنا میری خاطر، صداؤں کا بھرم رکھنا
چراغ جاں نہیں بجھتا، ہوا مایوس ہوتی ہے
اسے آنا نہیں شاید، ہواؤں کے بھرم رکھنا
مجھے لوگوں نے محفل میں ہمیشہ ہنستے دیکھا ہے
میری فطرت میں شامل ہے اناؤں کا بھرم رکھنا
میری تم سے گزارش ہے......
وفاؤں کا بھرم رکھنا!

علیزہ اور ریان کی شادی طے ہو گئی تھی اور ادھر سعد کی محبوبہ نے اپنی ہٹلر ماں کو ٹریپ

کرتے ہوئے خود اپنی ذات پر کیچڑ اچھالنے سے بھی دریغ نہیں کیا تھا۔اس نے اپنی ماں سے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ وہ پریگنینٹ ہے اور یہی وہ بات تھی جس نے رُحاب کی ممانی کے چھکے چھڑا دیے تھے۔

اپنی نگاہ میں ''عیب دار'' بیٹی کا فرض ادا کرنے کے لیے نہ صرف وہ خود چل کر عائشہ کے گھر تک آئی تھیں بلکہ انہوں نے خوشامد کرتے ہوئے اپنی بیٹی اور سعد کے رشتے کی بات بھی خود چھیڑ دی۔

عائشہ بیگم چونکہ بیٹے کی خوشی سے باخبر تھیں اور پھر انہیں اپنی بھتیجی کی شرارت کا علم بھی نہیں تھا لہٰذا انہوں نے بھی فوراً یہ رشتہ منظور کر لیا اور یوں سعد کے دل کی مراد بھی پوری ہوگئی!

علیزہ اور سعد دونوں کی شادی کی تاریخ آگے پیچھے طے ہوئی تھی۔علیزہ اس دن ریان کی فرمائش پر اس کے ساتھ مارکیٹ آئی تھی جب قطعی غیر متوقع طور پر اس کا سامنا علی رضا سے ہوگیا۔وہ بوتیک سے نکل رہی تھی جب وہ اچانک اس کے سامنے آیا تھا اور علیزہ اسے دیکھتے ہی ٹھٹھک کر رک گئی تھی۔علی رضا کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور اس نے کن اکھیوں سے اس کے ہمراہ چلتے ریان کو دیکھا تھا۔

''کیا ہوا علیزہ......؟''

ریان اپنی ہی باتوں میں مگن اس سے کچھ آگے نکل کر رکا تھا، جب اس نے جلدی سے خود کو سنبھالا۔

''ک......کچھ نہیں......''

اس کا پورا جسم کپکپا رہا تھا، ہاتھ پاؤں جیسے سرد پڑ گئے تھے۔ریان الجھ کر رہ گیا۔

اور پھر اسی روز شام میں جب وہ گھر پر اکیلی تھی، وہ زبردستی اس کے گھر میں گھس آیا تھا۔

''کیسی ہو عزیز از جان......؟''

دھوکے سے دروازہ کھلوا کر اب وہ اسی بند دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا پوچھ رہا تھا اور علیزہ کا دل جیسے بند ہونے کو آ گیا۔

''کیوں آئے ہو تم یہاں۔دفع ہو جاؤ یہاں سے، میرا اب تم سے کوئی واسطہ نہیں رہا......''

''اچھا......لیکن میرا واسطہ تو ہے تم سے، اور اسی واسطے سے میں آیا ہوں، شاید تم یہ بھول رہی ہو کر کچھ عرصہ قبل تمہاری مجھ سے پیپر میرج ہوئی تھی، اور اس کے کاغذات بھی ہیں

میرے پاس، جبکہ ڈائیورس کے بارے میں سوائے تمہاری اس سرپھری دوست اور حماد کے تیسرا کوئی نہیں جانتا، سو علیزہ ڈیئر، اگر تم چاہتی ہو کہ تمہاری خوشیاں برقرار رہیں، تمہارے بیمار باپ کی تھوڑی بہت بچی کھچی زندگی کا سلسلہ ابھی جاری رہے تو تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں تم سے کہوں گا، بہت یاد آ رہی ہے تمہاری قربت......قسم سے بہت نشہ دیتی ہو تم......شام میں ملنا چاہتا ہوں اسی پرانے ہوٹل میں، اگر نہ آئیں تو نتائج کی ذمہ داری صرف تم پر ہوگی، سمجھیں تم......''

وہ اس کی سوچ سے بھی زیادہ گھٹیا انسان ثابت ہو رہا تھا۔

علیزہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

''بہت اچھے کھلاڑی ہو تم علی رضا، بہت اچھے، لیکن شاید تم اس بات سے بے خبر ہو کہ جس علیزہ کو ایک عام سی لڑکی سمجھ کر، تم اپنی جھوٹی محبت کے فریب میں الجھا کر، بلیک میل کرتے رہے تھے، وہ مر چکی ہے، پورے تین سال ہوگئے ہیں اس کی موت کو، بہت اذیت جھیلی ہے اس نے اپنا مان ٹوٹ جانے کی، اپنی تحقیر کی، بہت کڑی قیمت چکائی ہے اس نے تم جیسے گھٹیا شخص سے دل لگانے کی، اب وہ علیزہ کہیں نہیں ہے، یہ لڑکی جو اس وقت تمہارے سامنے کھڑی ہے یہ وہ علیزہ نہیں ہے، سنا تم نے......اب دفع ہو جاؤ یہاں سے، ورنہ میں پورے محلے کو چلا چلا کر اکٹھا کر لوں گی......''

سرخ چہرے اور آنسو بھری نگاہوں کے ساتھ اس نے واقعی چلانا شروع کر دیا تھا جب وہ لپک کر اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر سختی سے جماتے ہوئے بولا۔

''اٹس او کے......پچھتاتا اب......اور دیکھنا کہ میں کیا کرتا ہوں......''

وارننگ کے انداز میں کڑواہٹ سے کہتے ہوئے اس نے علیزہ کو پرے دھکیلا اور خود دروازہ کھول کر جیسے اچانک آیا تھا ویسے ہی چلا گیا۔وصی تھوڑی دیر میں ٹیوشن سے آیا تو وہ پتھر بنی، صحن میں رکھی چارپائی پر بیٹھی تھی۔

''علیزہ آپا......''

وہ اسے یوں بیٹھے دیکھ کر متفکر سا اس کی طرف بڑھا تھا، مگر علیزہ نے سر نہیں اٹھایا۔

''آپا کیا ہوا ہے......''

سائیکل جلدی سے سٹینڈ پر کھڑی کر کے وہ اس کے پہلو میں ہی بیٹھ گیا تھا۔علیزہ سے اپنے حال کی وضاحت دینا مشکل ہوگئی۔

''کچھ نہیں......یونہی چکر آ رہے ہیں......''

"وہ تو آئیں گے ہی، اپنا خیال جو نہیں رکھتیں آپ...... باقی لوگ کہاں ہیں......؟"

"مارکیٹ گئے ہیں ریان کے ساتھ...... ابو اندر کمرے میں سو رہے ہیں......"

"اچھا...... چلیں پھر میں کمپیوٹر پر تھوڑی گیم شیم کھیل لوں، دوپہر کے کھانے میں کافی ٹائم ہے ابھی......"

آہستہ سے کہتا ہوا وہ اس کے قریب سے اٹھ گیا، علیزہ نے ایک مرتبہ پھر کمرے میں جا کر نادیہ کا نمبر ٹرائی کیا اور اس بار اسے لائین Clear مل گئی۔

"ہیلو......"

کال پک ہوتے ہی اسے نادیہ کی آواز سنائی دی تھی، جواب میں اس نے روتے ہوئے علی رضا سے متعلق تمام احوال اسے کہہ سنایا۔

"نادیہ، میں بہت پریشان ہوں...... وہ کمینہ پتہ نہیں اب کیا کرے گا......"

"کچھ نہیں کرسکتا وہ...... صرف بکواس کرتا ہے اور بس...... تو اس کی ٹینشن نہ لے، اب اکیلی نہیں ہو تم، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں......"

جواب علیزہ کے حسب توقع تھا پھر بھی اسے تسلی ہوگئی تھی۔

ریان سے اس کی شادی خاصی دھوم دھام سے ہوئی تھی، انیسہ بیگم اور سعید صاحب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ رحاب اور نادیہ تو وقت سے پہلے ہی آگئی تھیں۔ جبکہ ریان کی سوتیلی ماں بھی اپنے گاؤں سے اسلام آباد ہی چلی آئی تھیں، سعد اور ریان دونوں کی خوشی کا اندازہ لگانا مشکل تھا، اور ان خوشیوں کو چار چاند لگانے سالار بھی دیار غیر سے چلا آیا۔

رحاب کو ابھی کچھ روز پہلے ہی معلوم ہوا تھا کہ سارب سالار کی وجہ سے اسے اپنی زندگی میں وہ مقام نہیں دے پایا کہ جس کی وہ مستحق تھی، اور یہ حقیقت اس کے لیے اور بھی دکھ کا باعث بنی تھی۔

اس سے بے پناہ محبت کرنے والے شخص نے اسے اپنے اعتبار کے قابل بھی نہ سمجھا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ سالار نے صرف سارب کا ذہن کلیئر کرنے کے لیے دیار غیر شفٹ ہونے کا فیصلہ کیا تھا اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس نے شادی کا صرف ڈھونگ رچایا ہے، وہ بھی صرف سارب کا ذہن کلیئر کرنے کے لیے کیا کیا نہیں کر رہا تھا وہ شخص اس کے لیے...... اس کی خوشیوں کے لیے...... رحاب کے دل میں اس کی عقیدت بڑھی تھی۔

اور اب بھی پورے سات سال کے بعد ویسا ہی تنہا اور اداس تھا۔

رحاب کے ساتھ ساتھ، سارب نے اس کو بھی چھوڑ دیا تھا، اور اسی چیز کا اسے دکھ تھا۔

وہ اور رحاب اکٹھے بیٹھے مہندی کے فنکشن کو انجوائے کر رہے تھے، جب سارب وہاں آیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ سعد کی شادی کے اس فنکشن میں وہ اپنے اور رحاب کے بیچ حائل فاصلوں کو ختم کر دے گا، مگر...... اتنے دنوں کے بعد، اسے پھر سے وہ منتظر دیکھنے کو ملا تھا جو وہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا، پھر باوثوق ذرائع سے اسے یہ اطلاع بھی مل گئی تھی کہ سالار نے اپنی شادی سے متعلق جھوٹ بولا تھا۔ وہ اب بھی کنوارہ تھا اور شاید کنوارہ مرنے کا ارادہ ہی تھا اس کا ایک دھواں تھا جو اس کے اندر اترا تھا اور وہ خاموشی سے واپس پلٹ گیا تھا۔ اپنی اپنی باتوں اور مستی میں گم وہاں کسی کو نہ اس کی آمد کا پتہ چل سکا نہ خاموشی سے واپس پلٹنے کا۔

اگلے روز ریان کی مہندی تھی، اور اس تقریب کو اسد سمیت اس کے کئی فارنر فرینڈز نے خوب چار چاند لگائے تھے۔ وہ اتنا خوش اور مطمئن تھا کہ سالار کو اس پر رشک آرہا تھا، رحاب اس سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھی علیزہ کو بھی سٹیج پر اس کے پہلو میں لا کر بٹھا دیا گیا تھا، سب اپنی اپنی خوشی میں مگن تھے، وہ تھکا تھکا سا پیچھے آکر ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا، تبھی اس کی نگاہ ونیزہ پر پڑی تھی، مکمل سیاہ لباس میں ملبوس سٹیج کے ایک طرف کھڑی وہ رو رہی تھی، چھوٹی سی سرخ ناک اور بھل بھل بہتے آنسوؤں نے اس کے چہرے کو بہت دل کش بنا چھوڑا تھا۔ وہ بے مقصد سا اسے دیکھے گیا جب انیسہ بیگم ونیزہ کے قریب آکر اسے ڈپٹنے لگیں۔

"اب لومڑی کی طرح کھڑی آنسو کیوں بہا رہی ہو، کوٹھا کی کوٹھا ہوگئی، مگر عقل نام کو نہیں آئی اس لڑکی میں......"

ان کا لہجہ کسی حد تک کرخت آمیز تھا۔ سالار کے لبوں پر محظوظ کن سی مسکراہٹ بکھیر گئی۔

"آپی صحیح کہتی تھیں۔ آپ ہماری سگی ماں ہو ہی نہیں سکتیں......"

شدید ہرٹ ہو کر ہی شاید اس نے بدتمیزی کی تھی اور پھر منہ پھلا کر دھن دھن کرتی سالار سے کچھ فاصلے پر آ بیٹھی۔ آنسو تھے کہ زارو قطار بہتے چلے جا رہے تھے، اسے بے ساختہ اس کانچ سی لڑکی پر پیار آیا تھا۔

اور اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

"ایکسکیوزی......"

ونیزہ نے اس کی پکار پر خاصی چونکتے ہوئے سر اٹھایا تھا۔

"جی......" اس کی خوبصورت آنکھوں میں اسے دیکھ کر حیرانی امڈی تھی۔

سالار کی سمجھ میں نہ آیا وہ اب مخاطب کر لینے کے بعد اسے کیا کہے۔
''کیوں رو رہی ہیں آپ......؟''
بالآخر یہی سوال سمجھ میں آیا تھا اور اس نے فوری جڑ بھی دیا تھا۔
ونیزہ جو پہلے سلگی بیٹھی تھی اب ایک اجنبی مرد کے اس سوال پر اور تپ اٹھی۔
''آپ کو بل آ رہا ہے میرے رونے کا......؟''
سالار کو اس سے ایسے پٹاخہ جواب کی امید نہیں تھی تبھی وہ مسکرا دیا تھا۔
''نہیں......مگر......وہ کیا ہے کہ میں کسی کو روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا، اسی لیے دکھ ہو رہا ہے......''
''تو میں کیا کروں......؟ میرا گھر ہے، میں روؤں یا ہنسوں، میری مرضی......''
''صحیح......لیکن اگر آپ مجھے اپنے رونے کی، اور ڈانٹ پڑنے کی وجہ بتا دیں گی تو ہو سکتا ہے میں آپ کی کوئی ہیلپ کر دوں......''
اس بار اس کا لہجہ دوستانہ تھا، ونیزہ سر اٹھا کر اسے بغور دیکھنے سے باز نہ رہ سکی!
''جی نہیں......بڑی مہربانی اس ہمدردی کی، خوب جانتی ہوں میں آپ کی اِس ہمدردی کو، خوبصورت لڑکی دیکھ کر مرد یونہی ہمدردی کے جال پھینکتے ہیں اور پھر چڑیا قابو کر کے اس کی بیوقوفی پر ہنستے ہیں، مگر میں ان کم عقل لڑکیوں میں سے نہیں ہوں، سمجھے آپ......''
وہ جتنی خوبصورت اور طرح دار تھی اتنی ہی دل کی سادہ بھی تھی، سالار کے دل کو جیسے کچھ ہوا تھا۔
''میں ایسا لگتا ہوں آپ کو......''
جگر جگر کرتی سیاہ نگاہوں میں عجیب سے جذبے سموئے وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔
ونیزہ کی تو حقیقی معنوں میں بولتی بند ہو گئی۔ اسے اپنی انسلٹ، رونا دھونا سب بھول گیا۔ تبھی سالار نے ہاتھ بڑھا کر، آہستگی سے اس کا ایک آنسو اپنی انگلی کی پور پر اتارا، پھر اسے پیار بھری نگاہ سے دیکھ کر وہ آنسو اپنی کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔
''بہت پیاری لگتی ہو روتے ہوئے، لیکن اب کبھی مت رونا، او کے......''
وہ گم سم سی اسے دیکھ رہی تھی اور وہ جیسے اس کی حالت کا لطف اٹھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
''یہ دنیا رونے والوں کا ساتھ نہیں دیتی ڈیئر......رونے والے اپنی ذات کے قلعے میں بند رہ کر ایک دن مر جاتے ہیں، مگر کسی کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا، تمہارے لب صرف ہنسنے

کے لیے ہیں، آنسو پینے کے لیے نہیں، سمجھی......''
ونیزہ کو لگا جیسے وہ اچانک آسمان سے اترا تھا اور اب اسے اپنے سحر میں جکڑ رہا تھا۔
وہ کب اس کے قریب سے اٹھا، اسے مطلق خبر نہ ہو سکی، تاہم باقی کی تقریب میں، وہ اپنا وجود اسی کی گہری نگاہوں کے حصار میں مقید محسوس کرتی رہی تھی۔

❀

خواہشوں کے آنگن میں رات دن بسیرے تھے!
تتلیاں تمہاری ہیں، اور پھول میرے تھے!
چاند آسمانوں پر سے جب زمین پر اترا تھا
دیکھنے میں راتیں تھیں، اصل میں سویرے تھے
تیرے پاس بسنے کی، کھائی تھی قسم لیکن
شہر بھی پرایا تھا لوگ بھی لٹیرے تھے
لٹ گئے جب ہم دونوں، تو یہ قصور کس کا تھا
خواہش بھی تیری تھیں، فیصلے بھی تیرے تھے

آج علیزہ کی رخصتی کا دن تھا۔ سالار نے چپ چاپ اداس بیٹھی رحاب کے کان میں آہستہ سے کچھ کہا تھا، جواب میں وہ خاصی حیران نگاہوں سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔
اس کا خیال تھا کہ شاید سالار اب بھی صرف اس کی خوشیوں کے لیے، چکر چلا رہا ہے، مگر وہاں ان خوبصورت روشن نگاہوں میں اس بار سچائی تھی، تبھی ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی تھی۔
''تھینکس سالار......''
''تھینکس فار واٹ......'' "Thanks 4 what? "
اب وہ حیران ہوا تھا جب وہ بولی۔
''اپنے لیے سوچنے پر......درست انتخاب کرنے پر......''
اور وہ اس کی بات پر سر جھکا کر مسکرا دیا تھا۔
''تو پھر......بات کر رہی ہو ناں تم انیسہ آنٹی سے......؟''
''ہوں......ابھی کر رہی ہوں، تم بھی کیا یاد کرو گے کس سخی دوست سے پالا پڑا تھا......''
مسکرا کر کہتی وہ اس کے قریب سے اٹھی تھی اور انیسہ بیگم کی طرف بڑھ گئی تھی، سالار کی

نگاہیں ایک مرتبہ بھی سٹیج پر ریان سے چھیڑ چھاڑ کرتی دنیزہ کی طرف اٹھ گئیں۔

وہ جانتا تھا محبت انسان کی دل کی چوکھٹ نہیں چھوڑتی، بس روپ بدل لیتی ہے، انسان لاکھ، سر پٹختا، جبیں رگڑتا رہ جائے اسے وہی ملتا ہے جسے قدرت اس کے لیے پسند کرتی ہے، اور بے شک انسان کے لیے قدرت کا فیصلہ ہی بہترین ثابت ہوتا ہے مگر وہ سمجھتا نہیں۔

رحاب کی طرف سے گرین سگنل ملنے کے بعد، وہ فوراً وہاں سے رفو چکر ہو گیا تھا، اگر رحاب اس کی خوشی کا خیال رکھ سکتی تھی تو وہ کیوں نہیں اس کی خوشیاں اسے واپس لوٹا سکتا تھا۔

جس وقت وہ سارب کے آفس پہنچا اسے پتہ چلا کہ وہ گھر کے لیے نکل چکا ہے۔ لہٰذا وہ اس کے گھر چلا آیا۔ محل جیسا گھر، جیسے سائیں سائیں کر رہا تھا، وہ اس کی ہر زیادتی بھلا کر پورے استحقاق کے ساتھ، لمبے لمبے ڈگ بھرتا، اس کے بیڈروم میں چلا آیا۔ جہاں وہ خاصی ابتر حالت میں، تکیہ بانہوں میں چھپائے بیڈ پر الٹا لیٹا تھا۔

''سارب.....''

عرصے بعد اس نے پوری اپنائیت سے اسے پکارا تھا جواب میں وہ بھی جیسے حیران رہ گیا۔

''تم.....؟''

''جی ہاں..... ابھی تمہاری اتنی ہمت نہیں ہے کہ تم مجھے اس گھر میں آنے سے روک سکو، سمجھے.....''

کھلنڈرے انداز میں مسکرا کر کہتا وہ دھپ سے بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

سارب نے اس کے الفاظ کو اپنے ہی معنوں میں لیا۔

''صحیح کہا تم نے میں کون ہوتا ہوں کسی کو روکنے والا.....''

''سارب..... خدا کی قسم اس وقت میں بہت خوش نہ ہوتا تو بہت پیٹتا تجھے، جو تو نے پچھلے چار پانچ سال سے میرے ساتھ کر رکھا ہے، جتنا بے مروت اور پرایا، کیا ہے تو نے مجھے، میرا دل چاہتا ہے تجھے جان سے ماردوں یا پھر خود کسی گاڑی کے نیچے سر دے کر مر جاؤں.....''

سارب کے الفاظ پر شدید جذباتی ہوتے ہوئے وہ غصے ہوا تھا۔

''بس یہی دوستی ہے ہماری، کہ صرف ایک لڑکی کے لیے، ہم ایک دوسرے کو دریا کے دو کنارے بنالیں، میں اسے تیری بیوی کے روپ میں دیکھا تو اپنے قدم پیچھے ہٹالیے، جو چیز مجھے اپنے لیے پسند تھی، اگر وہ تجھے مل گئی تو یہ دوسری بات تو نہیں تھی یار، مجھے پتہ تھا تو اسے چاہتا ہے اور مجھے یہ بھی پتہ لگ گیا تھا کہ وہ بھی دل و جان سے تجھے، صرف تجھے پیار کرتی ہے۔ پھر میرا

کیا کردار بنتا ہے درمیان میں، وہ میری دوست ہے، ہمارے فیملی ٹرم ہیں آپس میں..... اس لیے وہ اپنا ہر دکھ سکھ مجھ سے شیئر کرتی ہے، مگر اسے یہ نہیں پتہ کہ میں نے اسے پسند کیا تھا، یا بھی اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہا تھا۔ جس روز وہ شدید بخار میں تمہارا گھر چھوڑ کر جارہی تھی، تب میں اسے اپنے گھر لایا تھا۔ اسے تمہاری محبت کا یقین دلایا تھا۔ تمہاری طرف سے دل صاف کیا تھا اس کا..... مگر تم نے کیا کیا سارب..... اپنے ساتھ ساتھ اسے بھی سولی پر لٹکائے رکھا، سب سے کٹ کر رہ گئے، تم ایسے تو نہیں تھے سارب..... اتنے بدگمان تو نہیں تھے تم.....''

ہر طرح سے صفائی پیش کر کے اب وہ اپنے دکھ کا اظہار کر رہا تھا۔

سارب کی تمام بدگمانی جیسے منہ چھپا کر بھاگ گئی۔

''خیر..... بڑا دل ہے تیرے سالار کا، جا معاف کیا تجھے، کیا یاد کرے گا تو بھی، اب جلدی سے اٹھ آج شام نکاح ہو رہا ہے تیرے یار کا، اور میں اپنی خوشی کے اس موقع پر تجھے رحاب کے ساتھ خوش باش دیکھنا چاہتا ہوں، لگی سمجھ.....؟''

اس کے لفظوں میں بناوٹ تھی نہ لہجے میں۔ سارب نے کچھ پل اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھا پھر کھینچ کر سینے سے لگالیا۔

''بہت سٹوپڈ ہے تو، قسم سے.....''

ایک بھاری مکا، اس کی چوڑی پشت پر رسید کر کے اس نے گلہ کیا تھا۔

سالار کھلکھلا کر ہنستے ہوئے اسے پوری قوت سے اپنے سینے میں بھینچ گیا۔ جس وقت وہ دونوں ایک ساتھ دوبارہ شادی ہال میں آئے، کھانا لگنے کی تیاری ہو رہی تھی۔

سارب کی بے قرار، پیاسی نگاہوں نے رحاب کو تلاشنا چاہا تھا، جب سے اسے پتہ چلا تھا کہ رحاب سالار کی پسند سے بے خبر تھی، تب سے وہ اس کے لیے اپنائے گئے اپنے سلوک پر شرمندگی محسوس کر رہا تھا، اب بھی اگر سالار اس کی ہمت نہ بندھاتا تو شاید وہ یہاں تک نہ آپاتا۔

سب کھانے میں مصروف تھے، جب سالار اسے اوپر کمرے میں بھیج کر دنیزہ کے قریب چلا آیا۔ ''ہیلو''

''جی.....'' وہ فوراً پلٹی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

''صدقے جاؤں، رحاب کا پتہ ہے کدھر ہے.....؟''

اس کی پرشوق نگاہیں پھر سے اسے کنفیوز کر رہی تھیں، تبھی وہ بولی۔

''رحاب آپی، علیزہ آپی اور ریان بھائی کے ساتھ کمرے میں بیٹھی ہیں، وہ سامنے

سارب سے خود پر کنٹرول رکھنا مشکل ہو گیا۔

"رئیلی، دل سے کہہ رہی ہو ناں......؟ میرا مطلب ہے یہ نہ ہو کہ میں آج ہی بیاہ کرلاؤں اور تم کل کورٹ کا رخ کرلو......"

وہ اسے ستانے سے باز نہیں آیا تھا۔ رحاب کی آنکھوں کی سرخی مزید بڑھ گئی۔

"کورٹ کیا بگاڑ سکتی ہے آپ کا...... دل کے کسی معاملے میں دنیا کی کسی کورٹ کا قانون نہیں چلتا......"

اس کی آواز اب بھیگ رہی تھی۔

سارب نے اسے مزید ستانے کا ارادہ کینسل کر دیا۔

"اس کا مطلب ہے، تمہیں میرا کسی کا بھی ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا......؟"

وہ سنجیدہ ہوا تھا، رحاب نے ذرا سا رخ پھیر لیا۔

"آپ کو فرق نہیں پڑتا، تو مجھے بھی نہیں پڑتا......"

وہ اب رو دینے کے قریب تھی۔ سارب نے اسے دونوں کندھوں سے تھام لیا۔

"میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو، تمہیں فرق نہیں پڑتا......"

آخری حد تک آزمانا چاہتا تھا وہ اسے، رحاب دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بالآخر رو پڑی۔

"ہو ناں پھر سٹوپڈ لڑکی......"

پیار سے کہہ کر اس نے رُحاب کے دونوں ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹا دیے۔

"تمہیں یاد ہے رحاب...... آخری بار مجھے تنہا چھوڑ کر آتے وقت...... تم نے مجھے کچھ دیا تھا، اور میں نے اس "کچھ" کو پورے سات سال اپنے ایک ایک پل میں تازہ رکھا ہے، آج وقت آ گیا ہے کہ تمہارا دیا گیا وہ حسین تحفہ، جس نے مجھے اپنے حصار میں یوں جکڑا کہ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی بھٹکنے نہیں دیا، آج سود سمیت تمہیں واپس لوٹا دوں......"

وہ کہہ رہا تھا اور رحاب کی پُرتجسس، حیران نگاہیں پھر اوپر اٹھی تھیں۔

"تم پیار کرتی ہو ناں مجھ سے، میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں، اتنا شدید پیار کہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی تمہارا نام اپنے نام سے الگ کرنے کا سوچوں تو سینے میں سانس گھٹنے لگتی ہے، ثبوت دوں......؟"

وہ گنگ کھڑی تھی اور سارب سنجیدگی سے کہتا اس کے چہرے پر جھک گیا تھا۔

اس کے گداز لبوں نے روتی ہوئی رحاب کی صبیح پیشانی چومی، اسے لگا وہ برف کے مجسمے میں تبدیل ہو گئی ہو۔ پیشانی کے بعد، اسی کے انداز میں اب وہ اس کے گال، ناک، کان اور ہونٹ چوم رہا تھا۔ اس لمحے سارب کی مانند، رحاب بھی اپنے بدن سے جان نکلتے محسوس کر رہی تھی۔ سارا غصہ، سارے گلے شکوے، رنجشیں، جیسے آپ ہی آپ منہ چھپا کر دم توڑ گئے تھے۔ وہ خود پر سے اپنا مکمل اختیار کھوتی اس کے سامنے جیسے بے جان پڑتی جا رہی تھی۔

"بس...... یا ابھی کچھ اور یقین دلاؤں......؟"

اس کی مانند وہ بھی سیراب ہوا تھا، تبھی آنکھوں میں شرارت سموئے پوچھا، تو وہ پھک پھک کر روتے ہوئے اسی کے گلے سے لگ گئی۔

تم بہت بُرے ہو سارب، میری خوبصورت زندگی کے سات خوبصورت سال ضائع کر دیے تم نے......"

دل صاف ہوا تو تکلفات کی دیوار بھی گر گئی۔

سارب نے اسے کسی قیمتی متاع کی طرح اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔

"ہوں...... مجھے احساس ہے رحاب، بہت شرمندہ ہوں میں تم سے اور سالار سے بھی، لیکن میرا وعدہ ہے، آج کے بعد تمہاری زندگی کے ہر پل کو میں اتنا خوبصورت بناؤں گا کہ تم پلٹ کر گزرنے والے سات سالوں کو کبھی یاد بھی نہیں کرو گی، قسم سے......؟"

اس کی آواز اسی وقت بوجھل ہونا شروع ہو گئی تھی۔

رحاب کو لگا جیسے وہ صحرا میں آبلہ پائی کا سفر طے کر کے بالآخر محبت کے گلستان میں پہنچ گئی ہو۔

"چلو دیکھیں گے، ابھی تو نیچے چلیں، سب مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے......"

"نہیں یار......"

وہ کسی طور اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا، رحاب کو ذرا سی زبردستی دکھانی پڑی۔

"چلیں...... سات سالوں کی پیاس لمحوں چند لمحوں میں بجھنے والی نہیں......"

اس کے چہرے پر اس وقت سچی خوشی تھی، سارب کو لگا وہ ہلکا پھلکا ہو گیا ہو۔

"معاف کر دیا ناں......؟"

"ہوں...... آپ بھی کیا یاد کرو گے کس سخی بیوی سے پالا پڑا تھا......"

دل کی خوشی چہرے پر ظاہر ہو رہی تھی۔

سارب خود کو عائشہ بیگم کی ناراضی اور سوالوں کے لیے تیار کرتا اس کا ہاتھ تھام کر خوشی خوشی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

ابھی راستہ میں اسے رحاب کو نہ صرف اپنے ہجر و وصال کے سارے قصے سنانے تھے، بلکہ وہ چاہت بھی شیئر کرنی تھی جو اسے سعد کے آفس میں پہلی بار دیکھ کر اس کے دل میں جڑ پکڑ گئی تھی!

❁

کبھی بارش برستی ہے تو مجھ کو یاد آتا ہے!
وہ اکثر مجھ سے کہتا تھا "محبت ایک بارش ہے"
کبھی پر جو برستی ہے
مگر پھر بھی نہیں ہوتی، یہ سب کے واسطے یکساں
کسی کے واسطے راحت، کسی کے واسطے زحمت
میں اکثر سوچتی ہوں اب
وہ مجھ سے ٹھیک کہتا تھا
محبت ایک بارش ہے
کبھی پر جو برستی ہے
کبھی مجھ پر بھی برسی تھی
مگر میرے لیے بارش......
کبھی نہ بن سکی راحت
یہ راحت کیوں نہیں بنتی
کبھی میں خود سے پوچھوں تو
یہ دل دیتا دہائی ہے
کبھی کچے مکانوں کو بھی بارش راس آئی ہے......؟

ریان کے پہلو میں بیٹھی وہ فوٹو سیشن مکمل کروا رہی تھی! جبکہ اس کے دائیں طرف اس کی پوری فیملی کے ساتھ ساتھ سارب اور رحاب کھڑے دل سے ہنس رہے تھے، ان کے ساتھ ہی نادیہ اور حماد کی جوڑی کھڑی، اپنی شادمانیوں کا اظہار کر رہی تھی، جبکہ کچھ ہی فاصلے پر کھڑے سالار کی نگاہوں کی شرارت اور محبت، جو دنیزہ کے چہرے کا حسن بڑھا رہی تھی، ہرگز اس کی نگاہ

سے مخفی نہ رہ سکی تھی۔

عمر کاظمی اپنی بیوی ثانیہ کے پہلو میں قدرے چپ چاپ سا لمحہ اپنے بیٹے کو بانہوں میں لیے، اس کے بھائی حسن سے گفتگو میں مصروف تھا، جبکہ انیسہ بیگم، سائرہ بیگم، عائشہ بیگم، اور نادیہ کی امی کے درمیان گھری اتنی خوش اور مسرور دکھائی دے رہی تھیں کہ علیزہ کا دل تشکر سے بھر گیا۔

محبت محبت ڈاٹ کام کے کھیل میں......وہ منہ کے بل گری تھی مگر اس کے پاک پروردگار نے اس کی سادگی، سچی توبہ، آنسوؤں اور عبادت گزاری کے صدقے اسے معاف کر کے سنبھال لیا تھا۔ صرف ایک معبود برحق کو سجدے نے اس کی تمام کھوئی خوشیاں اسے واپس لوٹا دی تھیں۔

ریان اپنی خوشی و فرمائش پر اسے رخصت کروا کر، اپنے ساتھ گاؤں کی حویلی لایا تھا۔

جس وقت وہ علیزہ کو گاڑی سے اتار کر اپنے بازوؤں میں لیے، حویلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تبھی علیزہ نے علی رضا کو اس کے سامنے آتے ہوئے دیکھا تھا اور جیسے وہ جامد ہو کر رہ گئی تھی۔

"شادی بہت بہت مبارک ہو ریان صاحب، یہ ایک حقیر سا تحفہ میری طرف سے......"

اس کا حلیہ بکھرا ہوا تھا، نگاہوں میں عجیب سی آگ تھی، ریان نے خاصی حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

"کون ہیں آپ اور یہ کیا ہے......؟"

"تحفہ ہے جناب مجھ ناچیز کی جانب سے، آپ کی شادی کے مبارک موقع پر، اور جہاں تک تعلق ہے میرا، کہ میں کون ہوں، تو یہ آپ اپنی اس حسین و جمیل وائف سے پوچھیے گا جو کبھی بس ایویں سی ہوا کرتی تھیں......" زخمی سی ایک مسکراہٹ لبوں پر پھیلائے......وہ حاسدانہ انداز میں کہتا، کن نگاہوں سے پتھر بنی کھڑی علیزہ کو دیکھ کر فوراً واپس پلٹ گیا تھا۔ تبھی ریان نے اس سے پوچھا تھا۔

"علیزہ......کون تھا یہ......؟"

"پتہ نہیں......" اس کے دماغ میں اس وقت آندھیاں چل رہی تھیں لہٰذا وہ اسے کوئی جواب نہ دے سکی البتہ اس کا دل ضرور کسی انہونی کے خیال سے دھڑک رہا تھا۔

اندر حویلی میں تمام رسوم سے فراغت کے بعد، شاندار پذیرائی سمیٹتی جس وقت وہ اپنے کمرے میں آئی، اس کا جوڑ جوڑ پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا جبکہ ٹینشن الگ سوار تھی ذہن پر، پتہ نہیں اس کا سکون تباہ کرنے کے لیے، علی رضا نے ریان کو کیا دیا تھا؟

میں اب مزید بکھرنے یا کسی امتحان وآزمائش کی شکار ہونے کی ہمت نہیں تھی، تبھی وہ گڑگڑا کر پھر سے اپنے معبود حقیقی کے سامنے سر بسجود ہو گئی، ریان کمرے میں آیا تو اس کے چہرے سے وہ خوشی غائب تھی جو چند گھنٹے قبل اسے حسن بخش رہی تھی۔

علیزہ کا دل بے ساختہ دھڑک اٹھا۔ کتنی دیر کر دی تھی اس نے اس کے پاس آنے میں!

''ریان......'' آنسوؤں بھری نگاہیں اٹھا کر اس نے ریان کے چہرے کو کھوجنا چاہا تھا جب وہ بولا۔

''تم نے جھوٹ کیوں بولا علیزہ کہ تم اس لڑکے کو نہیں جانتی......؟''

جس امتحان سے وہ ڈر رہی تھی وہی امتحان سر پر آ پڑا تھا۔ علیزہ کی زبان کو جیسے قفل لگ گئے۔

''تمہیں پتہ ہے اس نے یہاں حویلی میں کتنا ہنگامہ کیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ تم اس کی بیوی ہو اور بناء اس سے طلاق لیے تم نے مجھ سے شادی کی ہے، تمہارے خطوط، نکاح نامہ، ریکارڈڈ کالز، سب دے کر گیا ہے وہ......عدالت میں گھسیٹنے اور قانون کی جنگ لڑنے کی دھمکی بھی دی ہے، باہر امی کو جیسے پتنگے لگ گئے ہیں، تم نے جھوٹ کیوں بولا علیزہ......؟''

اس کی آنکھوں میں ہی نہیں لہجے میں بھی درد تھا۔ علیزہ کی پتھرائی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ ٹپک پڑا۔ میں نے کہا تھا ناں ریان......محبت اپنی جاگیر میں کسی غلط انتخاب کی بھول کو کبھی معاف نہیں کرتی، میں نے بھی سات سال یہ سزا جھیلی ہے۔ اور اب......اب جبکہ آپ خواب بن کر میری آنکھوں میں اترنے لگے ہیں تو وہ شخص چاہتا ہے میں دوبارہ اس کے قدموں میں گر پڑوں۔ وہ نہیں چاہتا کہ میرا گھر بسے......میں سکون کی زندگی بسر کروں، مجھے کسی کا پیار ملے......میں تھک گئی ہوں ریان......اب نہیں ہے حوصلہ مزید کسی امتحان کو سہنے کا، وہ مارنا چاہتا ہے ناں مجھے......تو ٹھیک ہے، شاید زندگی مجھ جیسے لوگوں کے لیے ہوتی بھی نہیں......سو پلیز......اگر مرنا ہی مقدر ٹھہرا تو پھر یہ موت آپ کے ہاتھوں کیوں نہ ملے، اس کتے کے قدموں میں کیوں ذلیل ہو کر مروں میں......؟''

ضبط گریہ سے سرخ آنکھوں میں جیسے سیلاب آ گیا تھا۔

ریان نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں پر چن لیے۔

''بس......اتنا ہی جانتی ہو ریان کو......؟''

اس کا لہجہ گھمبیر تھا۔ علیزہ کا سر جھک گیا۔

''پتہ ہے علیزہ......یہ جو آنکھیں ہوتی ناں، یہ سچ اور جھوٹ کا بہترین آئینہ ہیں، اس شخص کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ جھوٹا ہے، اگر اس کے دل میں تمہارے لیے کبھی ذرا سی محبت بھی ہوتی، تو وہ رل جاتا، مگر تمہیں اتنا درد دینے کے بعد یوں اس طرح سے رسوا کبھی نہ کرتا، یہی محبت کی پہچان ہوتی ہے مرد کی محبت کی پہچان، کہ اس کے دل میں اگر کسی عورت کے لیے ذرا سا خیال، ذرا سی سچائی بھی ہوتی ہے تو وہ اس کی عزت کو پہلے نمبر پر رکھتا ہے اور اس شخص کے دل میں تمہاری عزت نہیں ہے علیزہ، وہ صرف تمہاری کمزوری اور بزدلی کو کیش کرنا چاہتا ہے، اسی لیے اس کا دماغ درست کرنا ضروری تھا، اور وہی اس وقت میں کر کے آیا ہوں، ٹھیک کیا ناں میں نے......؟''

اس کی تھکن بدگمانی سے مشروط نہیں تھی۔ علیزہ اس کے ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگاتے ہوئے، پھر چپ چاپ کئی آنسو بہا گئی۔

''بس کرو ناں یار، آدھی رات تو یونہی بیت گئی ہے، باقی آدھی بھی کیا یونہی رو دھو کر گزار دو گی......؟''

فوراً سے پیشتر اس نے علیزہ کو اور خود کو اس گھمبیر اور تلخ سوچ کی وادی سے نکالا تھا۔

علیزہ نے فوراً اپنی آنکھیں صاف کر لیں۔

''آج کے بعد......تم ریان کے دل کے ساتھ ساتھ، اس کے گھر کی بھی مالک ہو علیزہ، کبھی ایک پل کے لیے بھی نہ سوچنا کہ میں تم سے کوئی دغا کروں گا، یا کسی کی باتوں میں آ کر اکیلا چھوڑ دوں گا، اور جان لو، انسان کو وہی ملتا ہے جو اس کا رب اس کے لیے پسند کرتا ہے، وہ شخص تمہاری سچی وفا کے قابل نہیں تھا، لہٰذا تم اس سے کھو گئیں، میرے دل میں تمہارے لیے، جو کچھ بھی ہے وہ خالص ہے شاید اسی لیے اس پروردگار نے تمہیں میرا بنا دیا، اب میں تمہیں جینا سکھاؤں گا، اب کبھی کسی کی وجہ سے تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں آئیں گے، میں ہر رشتے سے عزت دلواؤں گا تمہیں، آج کے بعد کسی ارسہ کسی علی رضا کی بات نہیں ہوگی، بس ہم دونوں ہوں گے، ہماری محبت ہوگی، اور ہمارا رب......''

علیزہ کا ہاتھ تھامے وہ پوری سچائی سے کہہ رہا تھا۔

علیزہ کے دل میں اس کی محبت اور احترام مزید بڑھ گیا۔

''چلو آؤ، اب ذرا دو دو نفل شکرانے کے پڑھ لیں، پھر دو دو ہاتھ کرتا ہوں تم سے......''

اس کے حسین روپ کو نگاہوں سے دل میں اتارتا، وہ بھرپور پذیرائی بخشنے کے بعد

بولا تو علیزہ سمٹی سمٹی سی، آہستہ سے اثبات میں سر ہلا کر اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی!
بے شک اس پر اپنے رب کے بہت سے قرض واجب تھے، جنہیں اب زندگی کی ہر سانس کے ساتھ شب و روز اسے ادا کرنا تھا۔

ہاتھ میں لے کے میرا ہاتھ یہ وعدہ کر لو
اب نہ چھوڑو گے میرا ساتھ یہ وعدہ کر لو
تم نہ بدلو گے بدلتے ہوئے موسم کی طرح
بیتنے والی ہے ہر رات یہ وعدہ کر لو
لوگ حالات بدلتے ہی بدل جاتے ہیں!
تم یہ بدلو گے روایات یہ وعدہ کر لو!